DAMAGE BOOK

DAMAGE BOOK

UNIVERSAL LIBRARY

OU_224718

UNIVERSAL LIBRARY

ر ج س ۲۱

ر ج ان گ ۔ ایم ۲۶۵

اعظم

جلد سوم | ماہ شہریور ۱۳۳۵ف | نمبر ۱

مدیر ——— محمد سجاد مرزا ایم اے (کنٹب)

شریک مدیر ——— محمد عظمت اللہ خاں بی۔ اے

اعظم اسٹیم پریس چارمینار

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوا کرے گا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (عہ) مع محصولڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ پانچ آنہ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہے گی

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	عہ	صر ۸؍	ہر ۸؍
سہ ماہ	ےعہ	للعہ	مہ ۸؍
ششماہ	سعہ	ےعہ ۸؍	صعہ
سالانہ	صعہ	سعہ	ےعہ ۸؍

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ موسومہ شریک مدیر پتہ ذیل پر ہونی چاہئے۔

محمد عظمت اللہ خاں بی۔ اے شریک مدیر
دفتر رسالہ اعلم بلگرامی ہوز سانچہ توپ
حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مندرجات

المعلم

(۱) ہمارا نیا سال — مدیر و شریک مدیر (۱ تا ۱۱)

(۲) روح جاپان — عالیجناب نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات سرکار عالی (۱۲ تا ۲۱)

(۳) مطالعہ قدرت — کیچووں کی عادتیں — مولوی محمد ابرار احمد صاحب بی ایس سی بی ٹی ایم اے اسسٹنٹ (۲۲ تا ۲۸)

(۴) ابتدائی نوشت و خواند کی تعلیم — مولوی محمد حسین صاحب بی اے (ٹی) مدرس مدرسہ فوقانیہ عثمان آباد (۲۹ تا ۳۴)

(۵) پیمائش نمبر ۵ — مسٹر نگیش راؤ بی اے بی ٹی صدر مدرس تعلیم معلمین اورنگ آباد (۳۵ تا ۴۶)

(۶) تبصرے —
الف ادب شاعری
ب براؤننگ
ج شیم
— شریک مدیر (۴۷ تا ۵۵)

(۷) شذرات — (۵۶ تا ۵۹)

نمبر ۱	بابتہ ماہ شہریور ۱۳۳۵ ف	جلد ۳

ہمارا نیا سال

ایک اور سال اپنی موسمی نیرنگیوں اور انسانی خوشیوں اور غموں کے ساتھ گزر گیا اور اس مہینہ سے "المعلم" اپنی زندگی کے تیسرے سال میں قدم رکھ رہا ہے گزشتہ سال کے دوران میں سرکار عالی نے اپنی ضرب المثل علمی سرپرستی اور علم پروری سے اس ناچیز رسالہ کو سررشتہ تعلیمات کی تحریک پر خریداری کا شرف عطا کیا اور اس دستگیری سے ایک بڑی [illegible] تک اس رسالہ کے [illegible] کی صورت [illegible] اس اعانت سے [illegible]

اشاعت پذیر ہوئی المعلم کو اپنے پیر ٹکانے کا سہارا مل گیا اور اس کے لئے المعلم سرکار عالی اور سررشتہ تعلیمات کا تہ دل سے شکرگزار ہے اور اس بات کی کوشش کرے گا کہ یہ احساس تشکر رسالہ کی بہتری اور مضامین کی بہتری کی صورت اختیار کرے۔

المعلم کی زندگی کے اس قلیل عرصہ میں یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ تعلیم کے وسیع اور ناپیدا کنار میدان میں اس کی کوششیں کوئی غیرمعمولی رتبہ اور وزن حاصل کرلیں تاہم اتنی امید ضرور ممکن تھی کہ اس رسالہ کے ذریعہ تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب عموماً اور عہدہ داران اور اساتذہ سررشتہ تعلیمات خصوصاً تعلیمی مسائل کو علمی پہلو سے سوچنے لگیں اور اپنی غور وفکر اور اپنے تجربہ اور مشاہدہ کے ثمرات سے المعلم کے صفحات کے ذریعہ ایک دوسرے کو فائدہ پہونچاسکیں۔ تعلیم ہمہ گیر اہمیت حاصل کرچکی ہے اور روز بروز زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہوتی جاتی ہے۔ اس وسیع اور اہم میدان میں جہاں تک ممالک محروسہ سرکار عالی کا تعلق ہے المعلم نے پہل کی اور جہاں تک حالات مساعد ہوسکے اس امر کی کوشش کی کہ تعلیمی معاملات کو علمی پہلو سے پیش کیا جائے تاکہ تعلیمی امور سے دلبستہ حضرات اور تعلیمی معاملات میں سرگرم ارباب تعلیمی مسائل کو سوچنے لگیں۔ اس سعی میں کس حد تک کامیابی ہوئی اس کا اندازہ اس فہرست مضامین سے ہوسکتا ہے جو نئے سال کی ان تقریبی سطور کے بعد ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے۔

طباعت کی دقتیں پتھر کے چھاپہ خانہ کی بدولت ضرب المثل کا رتبہ حاصل کرچکی ہیں لیکن ان مشکلات کے باوجود المعلم کو پابندی کے ساتھ شائع کرنے کی جدوجہد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور المعلم وقت پر شائع ہوتا رہا۔ لیکن اردو زبان کی وسعت اور اردو دان دنیا میں علم کے رواج کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اردو ٹائپ کے

مسئلہ کی یکسوئی ہو جائے اور اگر سرکار عالی کی طرح عامۃ الناس بھی المعلم کی اعانت پر کمر باندھ لے تو ایک دن المعلم اردو ٹائپ میں چھپنے لگے گا۔ المعلم نے وقتی دقتوں کے باوجود دیسی کاغذ ہاتھ سے نہیں دیا اور کوشش کی جائے گی کہ ملکی کاغذ پر ہی یہ رسالہ طبع ہوتا رہے۔ اس میں شک نہیں کہ عمدہ اور سستے کاغذ کا اپنے ہاں تیار ہونا علم کی نشر و اشاعت میں ٹائپ کے مسئلہ سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔ سستا کاغذ اور سستا چھاپہ خانہ دو چیزیں ہیں جن کی بدولت تحفہ سے تحفہ کتابیں سستی اور صحیح اردو دنیا میں افراط سے نمودار ہو جائیں گی۔

ارباب ذوق نے اپنی عنایت سے المعلم کی قلمی اعانت کی اور ہم ان ارباب قلم اور اصحاب لطف و کرم کے دل سے رہین منت ہیں۔ اور اس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں کہ بعض اصحاب کا ذکر خاص طور پر کیا جائے جن کے مضامین سبق آموز اور قابل داد تھے۔

سب سے پہلے ہماری نظر المعلم کے بانی مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔ اے (آکسن) پر پڑتی ہے جناب ممدوح سے ہمیں توقع تھی کہ المعلم کی امداد قلمی اور اخلاقی فرماتے رہیں گے چنانچہ فرائض منصبی کی گرانباری کے باوجود آپ اس رسالہ کی قلمی اعانت برابر فرماتے رہے ہیں جس کی قدر ہمارا دل ہی جانتا ہے

مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے۔ بی ای۔ ڈی تعلیمی امور میں قابل قدر مہارت رکھتے ہیں اور قدرت نے ان کے قلم کو ایک خاص دلنشین اسلوب عطا کیا ہے ان کا مسلسل مضمون "تدریس میں ناکامیاں" ایک قابل قدر چیز ہے۔ مولوی صاحب مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ عثمان آباد کے صدر ہیں اور المعلم ان کی قلمی اعانت کی نہایت قدر کرتا ہے۔

مسٹر منگیش راؤ۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی صدر۔ تعلیم المعلمین اورنگ آباد ایک تجربہ کار

اور فن دان قلمی معاون رہتے ہیں اور ان کے مضامین ہمارے اساتذہ کے لئے بہت کارآمد اور سبق آموز ہیں۔ ہم اپنے لائق دوست کے رہین منت ہیں۔

مولوی ساجد علی صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی مہتمم تعلیمات ضلع ناندیڑ مال کے بہت سے تحریری عطیہ لائے ہیں۔ ان کا مضمون "مدرسین کے چند عذرات کا تصفیہ" انوکھا دلچسپ اور قابل داد ہے۔ ہم اس قسم کے مضامین کے بطور خاص آرزومند ہیں جن میں ملکی حالات پر مسلمہ اصولوں کے تحت روشنی ڈالی جائے اور ان حالات کی اصلاح کی صورت پیش کی جائے۔

مولوی ملک سردار علی صاحب مہتمم تعلیمات ضلع نلگنڈہ کی قلمی اعانت کا المعلم پر بہت احسان ہے۔ ان کے لکھے ہوئے مضامین اور المعلم سے خاص دلبستگی اور ہمدردی کی قدر جتنی کی جائے کم ہے۔

مولوی عبدالرشید صاحب صدیقی۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی مہتمم تعلیمات ورنگل اور مولوی عبدالعزیز صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی لکچرر ریاضیات جاگیردار کالج کے مضامین بھی خاص ذکر کے قابل ہیں۔ ان اصحاب کے مضامین سونچ میں ڈوبے ہوئے تھے اور اسلوب تحریر ایسا واضح تھا کہ مفاہیم بے تکلف ذہن نشین ہو جائیں۔ اسی ضمن میں ایک ہونہار نوجوان قلمی معاون محمد بابر مرزا صاحب کا ذکر بھی ضروری ہے جن کا جزدوں والا مضمون دلچسپی سے پڑھا گیا۔ صاحب موصوف بغرض تکمیل تعلیم آجکل جرمن گئے ہوئے ہیں لیکن ہمیں توقع ہے کہ ہم ان سے مطالعہ قدرت کے متعلق مضمون حاصل کر کے شائع کر سکیں گے۔

جن قلمی معاونین کا ذکر حیز تحریر میں نہ آسکا اس سے یہ مطلب نہیں کہ ان کی قابل قدر اعانت نے المعلم کی دلچسپی اور سبق آموزی میں اضافہ نہیں کیا۔ بلکہ جن ارباب کرم کا ذکر اوپر کیا گیا ہے وہ محض نمونہ کے طور پر ہے جن سے قارئین کرام

بقیہ معاونین "المعلم" پر قیاس فرما سکتے ہیں۔ "المعلم" ان سب حضرات علم پرور اور ارباب لطف و کرم کا ایساں طور پر مشکر اور قدردان ہے۔

اب مجھ کو اس سال کے پہلے پرچہ کے متعلق ایک بات عرض کرنی ہے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات سرکار عالی کے جاپان والے لیکچر سے اس پرچہ کے مضامین کی افتتاح ہوتی ہے یہ لیکچر انجمن اساتذہ حیدرآباد کی سالانہ کانفرنس میں دیا گیا تھا اور نواب صاحب ممدوح نے اپنی مربیانہ عنایت سے اس کے اردو ترجمہ کو "المعلم" میں شائع کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ نواب صاحب ممدوح نے ممالک محروسہ سرکار عالی کے تعلیمی نظام کی تعمیر میں جو زبردست حصہ لیا ہے وہ ہمیشہ ان کے نام نامی سے وابستہ رہے گا۔ نواب صاحب کی وسعت نظر اور تعلیمی امور پر عبور کامل اور قلم پر قدرت کا اظہار اس یادگار کتاب سے ہوا جو جاپان کے تعلیمی نظام پر لکھی گئی اور جس کو ارباب قلم اور ماہرین فن نے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اس لیکچر میں نواب صاحب ممدوح کے اعلیٰ ادبی ذوق گہری فکر اور ہمہ گیر نظر کی ایک حیرتناک جھلک ہے۔ انگریزی زبان پر قدرت کا یہ حال ہے کہ ہر جملہ ہر فقرے اور ہر لفظ سے نفاست روانی اور ترنم ٹپکا پڑتا ہے۔ ہر لفظ اپنی اپنی جگہ نگینہ کی طرح جڑا ہوا ہے۔ ماہ مئی کے "المعلم" میں اس لیکچر پر جو نوٹ دیا گیا تھا اس کو یہاں دہرا دینا مناسب ہے۔ اس نوٹ میں نواب صاحب کے لیکچر کے وہ نقوش اور تاثرات حسن اتفاق سے اس طرح ادا ہو گئے ہیں جو اس لیکچر سے جو نفسی کیفیات پیدا ہوئیں ان کی صحیح صحیح ترجمانی کرتے ہیں — "نواب صاحب نے جاپان کا مطالعہ ایسی عمیق اور وسیع نظر سے کیا ہے کہ اس کو اپنا خاص مضمون اور اپنے آپ کو جاپان پر ایک مستند بنا لیا ہے بلکہ ایک حسین اور سبق آموز ادبی چیز تھی لوگوں نے مسرت اور انہماک سے نواب صاحب کی بلند اور صاف آواز کو جو مضمون کی لطافت گہرائی اور اہمیت کے ساتھ ایک بھاری موج کی طرح لہرا رہی تھی اور جملوں کی

سلاست زبان کی لطافت اور بندش کی برجستگی کو سنا ہ دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتی تھی یہ لکچر اعلیٰ فکر اور بلند ادب کی ایک یادگار چیز ہے۔ نواب صاحب نے اس لکچر میں جاپان کی روح کو کھول کر رکھدیا ہے اور اس لطیف اور حسین پیرائے میں یہ بات بتلادی ہے کہ صاحب لکچر نہ صرف ایک اعلیٰ ادیب ہیں بلکہ ان کی نظر ایک مدبر ایک صاحب فکر کی ہے جو قوموں کی روح کو کھنگال سکتی ہے اور ان کے رجحانات کو فکر کی ترازو میں تول سکتی ہے۔" المعلم کو ناز ہے کہ اس کے نئے سال کے پہلے پرچہ کا پہلا مضمون نواب صاحب کے نفیس اور اعلیٰ خیالات کا ایک لاجواب کارنامہ ہے۔

مدیر و شریک مدیر

فہرست مضامین رسالہ المعلم جلد دوم

نمبر (۱) شہریور ۱۳۳۴ف

مضمون	مضمون نگار
ہمارا نیا سال	
(۱) کسی ملک میں نظام تعلیم کیونکر کامیاب ہوسکتا ہے۔	مولوی سید محمد حسین صاحب بی اے کنٹب منصرم ناظم تعلیمات سرکار عالی
(۲) خطبہ صدارت کانفرنس اساتذہ صوبہ گلبرگہ سال دوم۔	مولوی سید محی الدین صاحب بی اے بیرسٹرایٹ لا منصرم نائب ناظم تعلیمات سرکار عالی
(۳) نگہداشت اطفال	مدیر
(۴) تبصرہ (قائد القواعد)	شریک مدیر
(۵) شذرات	شریک مدیر

نمبر (۲ و ۳) ماہ مہر و آبان ۱۳۳۴ ف

(۱) مقصد تعلیم	مولوی سید محمد علی صاحب مددگار انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد
(۲) زراعتی تعلیم	مولوی سید محمد جواد صاحب بی اے مددگار جاگیر کالج بیگم پیٹ
(۳) جغرافیہ	مولوی افتخار علی خاں صاحب صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ بیرم پیٹ
(۴) مدرسین کے چند عذرات کا تصفیہ	مولوی سید ساجد علی صاحب بی اے بی ٹی مہتمم تعلیمات ضلع ناندیڑ
(۵) تصاویر کے تعلیمی فوائد	مولوی سید محمد حسین صاحب بی اے (آکسن) نائب ناظم تعلیمات سرکار عالی
(۶) دیسی کھیل	مولوی عبدالسلام صاحب ناظر مدارس گلبرگہ
(۷) ریڈیو کا راز (۸) تبصرہ (جدیدہ)	شریک مدیر
(۹) شذرات	

نمبر (۴) ماہ آذر ۱۳۳۵ ف

(۱) جامعہ عثمانیہ کے پہلے جلسہ اسناد کا خطبہ	عالیجناب نواب ولی الدولہ بہادر صدر اعظم و امیر جامعہ سرکار عالی
(۲) علم جغرافیہ ابتدائی مدارس میں	مسٹر منگیش راؤ بی اے ایل ٹی صدر نارمل سکول مرہٹی اورنگ آباد

(۳) سائنس	مسٹر ویدراج سابق سائنس ٹیچر چادرگھاٹ ہائی سکول حیدرآباد
(۴) تکان	مولوی عبدالعزیز صاحب بی اے پروفیسر ریاضی جاگیردار کالج بیگم پیٹ
(۵) ڈالٹن وریں تعلیم (۶) تبصرہ (کلیات اقبال)	شریک مدیر
(۷) شذرات	

نمبر (۵) ماہ دے ۱۳۳۵ ف

(۱) خطبہ کانووکیشن جامعہ مدراس	شریک مدیر
(۲) وراثت و ماحول	مولوی محمد عبدالرشید صاحب صدیقی پروفیسر جاگیردار کالج بیگم پیٹ
(۳) ہمارا طرز تعلیم	مولوی محمد اعظم خاں صاحب متعلم جماعت انٹرمیڈیٹ عثمانیہ کالج بلدہ حیدرآباد
(۴) تبصرے (۱) (رپورٹ سالانہ مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ گلبرگہ) (۲) (جونیر کورس آف اردو انگلش ٹرانسلیشن)	شریک مدیر
(۵) شذرات	

نمبر (۶) ماہ بہمن ۱۳۳۵ ف

(۱) تدریس کی ناکامیابی	مولوی محمد حسین صاحب ایم اے " " مدرسہ فوقانیہ عثمان آباد
(۲) تاریخ اور اس کی تدریس	مولوی عبدالحمید صاحب بی اے

(۳) ہمارا طرز تعلیم نمبر (۲) — مولوی محمد اعظم خان صاحب متعلم جماعت انٹرمیڈیٹ عثمانیہ کالج بلدہ

(۴) دھوپ گھڑی — مولوی مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب

(۵) تبصرے (۱) ہملٹن کا چتکبرا افسری والا — شریک مدیر

(۲) رسالہ جادو

(۶) شذرات

نمبر (۷) ماہ اسفندار ۱۳۳۵ ف

(۱) ہندوستان کی ناکامیابی نمبر (۲) — مولوی محمد حسین صاحب ایم اے مہتمم مدرسہ فوقانیہ عثمان آباد

(۲) تاریخ اور اس کی تدریس نمبر (۲) — مولوی مرزا عبدالحمید بیگ صاحب بی اے

(۳) ہمارا طرز تعلیم نمبر (۳) — مولوی محمد اعظم خان صاحب متعلم جماعت انٹرمیڈیٹ عثمانیہ کالج بلدہ

(۴) تبصرہ (روح تنقید) — شریک مدیر

(۵) شذرات

(۶) ضمیمہ حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس — مدیر و شریک مدیر

نمبر (۸ و ۹) ماہ فروردی و اردی بہشت ۱۳۳۵ ف

(۱) خطبہ کانووکیشن جامعہ پنجاب — جناب نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدر المہام فینانس سرکار عالی

(۲) مملکت آصفیہ میں امداد باہمی کی انجمنیں — مولوی سید محمد مہدی صاحب مددگار دفتر نظامت انجمن اتحادی سرکار عالی

(۳) مطالعہ قدرت چڑیں۔	مولوی بابر مرزا صاحب۔ بی ایس سی ایف آر ایم ایس (لندن) پروفیسر جامعہ عثمانیہ سرکار عالی
(۴) پنہ سوال کی تعلیم	مولوی سید علی اکبر صاحب ایم اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات بلدہ واطراف بلدہ سرکار عالی
(۵) تبصرہ (رسالہ نورس)	شریک مدیر
(۶) شذرات	

نمبر (۱۰) ماہ خورداد ۱۳۳۵ف

(۱) ضبط و انتظام مدرسہ نمبر (۲)	مولوی ملک سردار علی صاحب بی اے بی ٹی مہتمم تعلیمات تلنگانہ
(۲) تدریس میں ناکامیابی نمبر (۳)	مولوی محمد حسین صاحب صدر مدرسہ فوقانیہ عثمان آباد
(۳) تبصرہ (قاید القواعد)	مولوی ملک سردار علی صاحب بی اے بی ٹی مہتمم تعلیمات تلنگانہ
(۴) شذرات	
(۵) علمی مضامین سے دور دور باتیں۔	شریک مدیر

نمبر (۱) ماہ تیر ۱۳۳۶ف

(۱) السید جمال الدین اور تعلیم	مولوی سید حسین صاحب بی اے (آکسن) نائب ناظم تعلیمات ملک سرکار عالی

(۲) بات ہکا تبنگر
(۳) تبصرہ (ہیم لیٹ)
(۴) شذرات

شریک مدیر

نمبر (۱۲) ماہ امرداد ۱۳۳۵ ف

(۱) خطبہ صدارت کانفرنس اساتذہ صوبہ گلبرگہ — مولوی سید محمد حسین صاحب بی اے (آکسن) نائب ناظم تعلیمات ملک کے سرعامے

مشاہدہ اور ریکارڈ — مسٹر منگیش راؤ پرنسپل نارمل سکول مرہٹی اورنگ آباد

(۳) فوجی تربیت کا جسمانی اور اخلاقی اثر — مولوی عبدالعزیز صاحب بی اے بی ٹی پروفیسر جاگیردار کالج بیگم پیٹ

(۴) تبصرے
(۱) بچوں کا قاعدہ
(۲) معلومات
(۳) نغمہ

(۵) شذرات

شریک مدیر

روح جاپان

خواتین و حضرات اس بات کا بیڑا اٹھانا کہ ایک قوم کی زندگی کی تصویر بغیر اس قوم کی زبان جانے کھینچی جائے ایک جسارت ہے اور یہ مناسب خیال کرتا ہوں کہ آپ کو پہلے ہی خبردار کر دوں کہ آج کی رات آپ جس چیز کو سنینگے وہ اسی طرح کی جسارت ہے۔

اگر اس شب کے دوران میں آپ یہ محسوس فرمائیں کہ آپ کو دم دلاسا دیکر اس بات پر آمادہ کر لیا گیا کہ ایک اندھا آدمی آپ کی رہنمائی ایسے پیچیدہ راستوں پر کرے جہاں رہنمائی کا کرنا کسی بھلی چنگی آنکھوں والے کے بھی بس کی بات نہ ہو۔ تو اس جرم کو مجھ پر عاید نہ فرمایا جائے بلکہ اس کا الزام اپنے پرجوش صدر انجمن مسٹر سید علی اکبر کے سر تھوپئے اس لئے کہ مجھ سے انہوں نے اس بات پر کہ میں آپ کی انجمن کے سامنے جاپان پر لیکچر دوں اس قدر اصرار کیا کہ مجھے ان سے نہیں کہنے کا یارا نہ رہا۔

جن حالات نے ایشیائی دو قدیم اور محترم — چینی کانفوشی اس اور ہندوستانی گوتم بدھ — کی روایات کو جاپان کی میراث اور جاپان کو ان کا محافظ بنا دیا ہے۔ ان حالات کو تفصیل سے آپ کے سامنے بیان کرنے کے لئے آج کی رات موقع اور وقت نہیں۔

جاپان کی قومی روح کی ارتقا میں گوتم بدھ کے مذہب — بدھ مت — کے بلند تخیلات کو بہت بڑا دخل ہے لیکن کنفوشی اس کی تعلیم میں جو عملیت ہے اس کا بھی اس ارتقا میں کچھ کم حصہ نہیں۔

جب ان دونوں مذہبوں کے اثرات نے جاپان کے اسی مذہب — شنتو مت کے

اسی سادگی سے میل کھایا ہوا اس کا پھل جاپان کے اس تمدن کی صورت میں پیدا ہوا جس کی
امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس تمدن نے جاپانی فنون لطیفہ میں جان سی ڈال دی اور
انہیں ابھار دیا۔ انہی فنون لطیفہ کی بدولت ہی جاپان کو ان نفیس اور حسین چیزوں کی
صنعت کا فخر حاصل ہے جن کے لئے جاپان آج بجا طور پر مشہور ہے۔

گوتم بدھ کی جنم بھومی افسوس ہے کہ بدھ مت کو اب جانتی بھی نہیں اور چین کا یہ
حال ہے کہ منچوری حملہ کے مہلک اثرات سے اب تک پنپ نہیں سکا ہے۔ اس حملہ نے
چین کی تخلیقی امنگوں کا گلا گھونٹ دیا اور اس کی قومی زندگی کی بنیادیں تک ہلا دیں۔

اس طرح اب فقط جاپان ہی ایک ایسا ملک رہ گیا ہے جہاں چین کے پرانے
زمانہ کی وہ چیزیں جو کبھی بڑی مانی جاتی تھیں اور جہاں ہندوستان کے بدھ مت کی
بہ حیثیت ایک زندہ مذہب کے وہ باتیں جو اعلیٰ اور ارفع ہیں اب بھی مطالعہ کی جا سکتی ہیں
ان وجوہات کی بنا پر روس سے مٹھ بھیڑ میں جاپان کو جو جیت ہوئی وہ تمدنی
حیثیت سے بھی ایک زبردست اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اگر جاپان کو اس جنگ میں
کچل دیا جاتا تو جاپان کی بربادی کے ساتھ قدیم ایشیا کی دو نہایت شاندار باقیات صالحات بھی
ملیامیٹ ہو جاتیں۔

میں اپنی تو یہ کہتا ہوں کہ مجھے جاپان سے جو گہری دلچسپی ہے وہ نہ صرف اس وجہ سے ہے کہ
جاپان ایشیا کی نہایت پیش رو قوم ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ جاپان ہی ایک ایسا ملک ہے کہ
جہاں مغرب مشرق سے اس دوستانہ مساوات کے رنگ ڈھنگ کے ساتھ دو چار
ہوئی ہے جس سے دنیا کے لئے بھلائی ہی بھلائی کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

اس خیال سے کہ یہ ممکن ہے کہ جاپان ایک نئے تمدن کا منبع بن جائے ہم
ہندوستانیوں کو چاہئے کہ جاپان کی ارتقا کو بغور دیکھتے رہیں۔ مجھے یقین ہے کہ
اب وہ وقت آگیا ہے کہ خود مشرق مشرق کی مشرق سے ترجمانی کرے چنانچہ میں اس بات کی

کوشش کروں گا کہ آج کی رات جہاں تک ہو سکے اختصار کے ساتھ اس ملک کے ان تاثرات اور نقوش کو آپ کے سامنے پیش کروں جو میرے دل پر مرتسم ہوئے ہیں۔

سب سے پہلی چیزوں میں جو چیز ہندوستانی سیاح جاپان پہونچنے پر بطور خاص محسوس کرتا ہے وہ وہاں کے لوگوں کی — جسمانی اور مدنی — یکسانیت اور ہم جنسی ہے۔ ان کا ایک پن اس نوبت کو پہونچ گیا ہے کہ ایک ایسے پردیسی کے لئے جو ملک کی زبان سے ناواقف ہو — ان لوگوں کے سماجی رتبہ کا معین کرنا دشوار ہو جاتا ہے جن سے اس کو جاپان کی سیاحت کے دوران میں ملنا جلنا پڑے۔

خُلق حرکات و سکنات کی شائستگی اور لباس کی ستھرائی یہ باتیں اور ملکوں میں اونچے طبقوں کی میراث سی منی جاتی ہیں لیکن یہ جاپانیوں کے ہر طبقہ میں پائی جاتی ہیں۔ میں نے اس ملک میں اپنے قیام کے زمانہ میں جس کی مدت تقریباً نو مہینہ ہوتی ہے کبھی کسی کو بازار میں لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا اور نہ میں نے ایک دفعہ بھی معمولی لوگوں کو آپس میں اُس طرح کی بلند آواز سے بولتے سنا جو غصہ کی نشانی ہے اور جو بدقسمتی سے اس ہمارے وطن میں بہت زیادہ عام بات ہے۔

میرا یہ پختہ خیال ہے کہ جاپان نے گذشتہ (۶۰) ساٹھ برس میں جو حیرتناک سرعت سے ترقی کی ہے اس کا راز جاپانیوں کی اسی بات میں پوشیدہ ہے کہ وہ اپنے اُوپر پورا قابو رکھتے ہیں۔ اپنے اوپر قابو رکھنے کی قوت ضبط (ڈسپلن) سے ہی ترقی پا سکتی ہے اور جاپانیوں میں ضبط حیرتناک حد تک پایا جاتا ہے۔

جاپانی لوگوں کی ایک اور خصوصیت اور ایسی خصوصیت جس نے انہیں دنیا میں اپنی آپ نظیر بنا دیا ہے۔ یہ ہے کہ فطرت کی حسین چیزوں کی جاپانی تہ دل سے قدر کرتے ہیں۔ ان سے عشق رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں اور کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں حسین مناظر دلکش پہاڑ سمندر درخت اور پھول اور خوش وضع تعمیر

...نذر پیش کیے جاتے ہوں جتنے کہ جاپان میں کیے جاتے ہیں اور یہ یاد رہے کہ ان حسین چیزوں کی قدردانی میں جو فطرت نے اس فیاضی کے ساتھ اس ملک کو عطا کی ہیں ہر جاپانی خواہ وہ امیر ہو یا غریب بوڑھا ہو یا جوان دل سے شریک ہے۔

اگر مجھ سے یہ کہا جائے کہ میں جاپانی قوم کی باطنی زندگی کا تجزیہ کروں تو میں اس نازک مسئلہ میں ڈرتے ڈرتے یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ کن فوشی اس کی تعلیمات اس قوم کی سماجی زندگی کی اساس ہیں۔ بدھ مت اس ملک کے فنون لطیفہ اور صناعی کی خدمت ہے اور شن تو مذہب جاپانیوں کے زندوں اور مردوں کی روزمرہ زندگی کا چراغ ہدایت ہے۔ مُردوں کی زندگی والے فقرہ سے آپ چنبھے میں نہ جائیں میں آپ سے ملتجی ہوں کہ اس فقرہ سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ میں اپنے بیان کو اجتماع ضدین کا چٹخارا دینا چاہتا ہوں۔ میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جاپان کے قومی عقیدہ کے مطابق رفتگاں اُس طرح کبھی نہیں مرتے جس طرح اور ملکوں میں مردہ سمجھے جاتے ہیں جاپان میں مردوں کی روحوں سے ملک آباد ان رہتا ہے اور یہ کہ گو یہ روحیں دکھائی نہیں دیتیں ان کی خدمت اور ان کی عظمت اسی طرح ہونی چاہیئے جس طرح زندہ لوگوں کی خدمت اور عظمت کی جاتی ہے۔

جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے شن تو مت جاپان کا سب سے پرانا مذہب ہے اور اسی وجہ سے یہی سرکاری مذہب بھی ہے۔ اس کی بنیاد اجداد پرستی ہے اس کے پیرو نہ صرف ان پرانے دیوتاؤں کو پوجتے ہیں جن کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ یہ دیوتا ہی جاپانی نسل کے اجداد اعلیٰ ہیں بلکہ یہ لوگ ایسے نامور سورماؤں اور ممتاز آدمیوں کی بڑی اور روز افزوں تعداد کی پرستش کرتے ہیں جن کو دیوتاؤں کا رتبہ دیا گیا ہے کیونکہ یہ روحیں جب اس ظاہری عالم میں تھیں تو انہوں نے اپنی جنم بھومی کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی تھیں۔

شن تومت کی ایک دلچسپ خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ تو عقائد ہیں نہ کوئی شیرازہ ہے اور نہ اس کی کوئی مقدس کتاب ہے لیکن اس کے باوجود بھی اس مذہب میں ایسے زبردست مذہب کی سی جان موجود ہے جس کے عقائد مرتب اور جس کا ایک باقاعدہ نظام ہو۔ لفکاڈیو ہرن جاپانی معاملات میں سند کا حکم رکھتا ہے اس کا قول ہے کہ "شن تو مذہب عبارت ہے کیریکٹر سے اور کیریکٹر بھی اعلیٰ ترین معنوں میں یعنی دلیری خلوص عزت اور سب میں بڑی بات یہ کہ وفا شعاری۔ خالص فرزندانہ سعادتمندی احساس فرض اور بغیر اسباب کو سوچے اصول پر جان دینے کی آمادگی ——— یہ باتیں شن تومت کی روح رواں ہیں۔ ساتھ ہی شن تومت قدامت پسندی بھی ہے اور اس جدید قومی رجحان کی کہ عہد حاضر کی پردیسی باتوں کو بے سوچے اختیار کرنے کے شوق میں ماضی کی کل قابل قدر باتوں کو بھی اکھاڑ پھینکا جائے ایک صحیح اور موزوں رکاوٹ ہے۔ شن تومت ایک مذہب ضرور ہے مگر ایسا مذہب جو موروثی اخلاقی امنگ بن گیا ہے۔ یعنے ایسا مذہب ہے جسے توریث کی اکسیر نے اخلاقی سرشت میں منقلب کر دیا ہے۔ یہ مذہب اس نسل کی کل جذباتی زندگی ——— جاپان کی روح ہے"۔

شن تومت کا زبردست جاپانی عالم ہراتمہ ہے۔ اس نے اس مضمون پر اور زیادہ روشنی ڈالی ہے اور شنتائیوں کی روحانی تربیت ذات کی اس طرح وضاحت کی ہے "اگر تم نیکی کی راہ پر عمل پیرا ہونا چاہتے ہو تو آن دِکھ عالم کی ہیبت اپنے دل میں بٹھاؤ اور اس کی عظمت کرنا سیکھو۔ کیونکہ یہ بات تم کو غلط راہ چلنے سے روکے گی۔ آن دِکھ عالم میں جو دیوتا فرماں روا ہیں ان کے ناظر جان کر نیک عمل کا عہد کرو اور جو ضمیر کہ تمھاری سرشت میں ودیعت کیا گیا ہے اس کو نشو ونما دو اور راستہ سے نہیں بھٹکو گے۔ اسلاف کی یاد میں اپنے آپ کو وقف کر دینا ———

یہ بات تمام نکن کا نتیجہ ہے۔ جو شخص اسلاف کے متعلق جملہ فرائض کو بجا لاتا ہے وہ اپنے ریونشاہ ان بزرگوں کی جو بقید حیات ہوں کبھی بے احترامی نہیں کرے گا ایسا آدمی اپنے بادشاہ کا جاں نثار اپنے دوستوں کا وفادار ہوگا اور اپنے بال بچوں کے ساتھ شفقت اور نرمی سے پیش آئے گا۔

اس عملی اسلاف پرستی اور اس اعتقاد نے کہ "رفتگاں" زندوں سے جدا نہیں ہوتے جاپانی کیریکٹر میں بعض قابل غور خصوصیتیں پیدا کر دی ہیں اور یہی وہ خصوصیتیں ہیں جو آخر میں چلکر جاپانیوں کی ایک طرف اپنے شہنشاہ سے پرجوش جان نثاری اور دوسری طرف موت سے بے خوفی اور اپنی جنم بھومی کی زبردست محبت کا منبع ہیں اور اس جان نثاری اور وطن پرستی ہی کی بدولت جاپانیوں نے غیر قوموں کی ان تمام کوششوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا جو انہوں نے جاپانیوں کو مغلوب کرنے کی غرض سے کیں۔ اپنے شہنشاہ کی ذات میں جاپانیوں کو اپنی قدیم نسل کی ایک مجسم شان و شوکت نظر آتی ہے اور یہ گہرے احترام کا احساس اس امر واقعی سے اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے کہ ان کی تاریخ کے طلوع سے اب تک موجودہ شہنشاہی خاندان ہی میں تخت و تاج چلا آتا ہے۔

اس طرح جاپان کا فرماں روا خاندان دنیا میں سب سے پرانا ہے اور جاپانی اس پر بے انتہا نازاں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جب ہم دیگر مشرقی ممالک کی تاریخوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان میں یہ دیکھتے ہیں کہ ان قوموں کو اکثر بیرونی حملہ آوروں کا جوا اپنی گردن پر رکھنا پڑا اور جب ان تاریخوں کے مطالعہ سے ہم یہ بات بھی محسوس کر لیں کہ ان قوموں کے شاہی خاندانوں کی فرماں روائی نسبتاً کس قدر مختصر رہی ہے تو پھر جاپان کی تاریخ جو ایک ہی شاہی خاندان کی روایات کی مسلسل زنجیر ہے جس کی کوئی کڑی ٹوٹی ہوئی نہیں ہے خود ہمارے دلوں میں احترام

اور جبروت کے احساسات پیدا کر دیتی ہے۔

اس قابل ناز امتیاز نے کہ جاپان کا شاہی خاندان تاریخ سے بھی پرے کے زمانہ سے اپنی رعایا پر اپنی خوشی اور غم کا اثر ڈالتا چلا آیا ہے جاپانیوں کے دلوں میں اس خاندان کی وہ پرجوش عقیدتمندی موجزن کر دی ہے جو ہمارے زمانہ میں تو یقیناً کہیں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ جاپانیوں کے نزدیک اس خاندان کی غیر وفاداری نہ صرف اپنی ذات کے ساتھ بے وفائی ہے بلکہ ان باپ دادا کی پاک روحوں کے عظیم الشان اجماع کے ساتھ غداری ہے جو قومی زندگی کی رہنمائی کرتا ہے۔

اپنے شاہنشاہ کے ساتھ اس گہرے جاں نثاری کے احساس ہی سے جاپانیوں کے ذاتی ایثار کے ان کارناموں کا راز کھل سکتا ہے جو اکثر معرض ظہور میں آتے رہتے ہیں اور جو تقریباً ہمیشہ پردیسیوں کو الجھن میں ڈال دیتے ہیں۔

پچھلے سال میں جاپان ہی میں تھا کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ میں اس کو آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اب تک میں نے جو باتیں آپ سے کہی ہیں ان سے واقف ہونے کے بعد آپ کو اس واقعہ کی اہمیت کے سمجھ لینے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

شہنشاہ جاپان کی پچیس سالہ شادی کا جشن قوم نے منایا۔ اور شہنشاہ نے اس خوشی کے موقع پر اپنی جیب خاص سے ایک بڑی رقم عطا کی اور یہ خواہش کی کہ یہ رقم اس کی رعایا میں سے ان لوگوں کو تقسیم کی جائے جو ایک خاص سن کو پہونچ چکے ہیں۔ چنانچہ ہر شہر کے میر بلدہ اور گاؤں کے پٹیلوں کے نام احکام صادر ہوئے کہ ان لوگوں کی فہرستیں تیار کی جائیں جن کا سن شہنشاہ کی شرط کے مطابق ہو جب یہ فہرست تیار ہوگئی اور ارباب صدر کو بھیجی جا چکی تو ایک دیہاتی کو معلوم ہوا کہ

اس نے اپنی عمر کا حساب غلط لگایا جس سے ایک سال کا بل آگیا۔ اس نے محسوس کیا کہ میں نے شہنشاہ کے حضور غلط اطلاع دی ہے جو ایک جرم ہے اس لئے خودکشی کرلی اور ایک تحریر چھوڑ گیا جس میں ان وجوہات کی صراحت کردی تھی جن کی بناء پر اس نے اس غلطی کے کفارہ میں اپنی جان بھینٹ چڑھادی۔

اس واقعہ نے ہم سب پردیسیوں کو اچنبھے میں ڈال دیا لیکن ہمارے جاپانی احباب کے نزدیک یہ ایک معمولی سانحہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس دیہاتی نے جو کچھ کیا وہ اکثر جاپانی ایسے ہی حالات میں کرگزرتے۔

ایک اور خودکشی کا واقعہ اس وقت مجھے یاد آگیا۔ جاپان کے ایک بڑے شہر کے اسٹیشن ماسٹر نے اس لئے خودکشی کرلی کہ اس کی سہو نظری سے تختہ اوقات میں ایک معمولی سی غلطی رہ گئی جس کی وجہ سے شاہنشاہی ٹرین کو چند منٹوں کی تعویق ہوگئی تھی۔

لیکن اس زمانہ میں جان نثاری کا نہایت مشہور واقعہ جنگ روس و جاپان کے ہیرو جنرل نوگی کی خودکشی ہے۔

جنرل نوگی کو جب موجودہ شہنشاہ کے والد شہنشاہ میجی کی وفات کی خبر پہونچی تو جنرل نوگی اور ان کی بیوی نے اپنے دوست احباب اور عزیزوں کو الوداع کہا اور مسکراتے ہوئے اطمینان سے بیٹھ کر اپنا کام تمام کیا۔

جنرل نے اپنی قوم کے نام ایک خط لکھا۔ یہ خط گویا سچ مچ دوسرے عالم سے ایک پیغام ہے۔ اس میں جنرل نوگی نے اپنے ہموطنوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ اُن لہو ولعب کی عادتوں سے بچیں جن کی پردیسی تمدن کے اثر سے جاپان میں بھی شروعات ہورہی ہے۔ جنرل نوگی کا خیال تھا کہ ان عادتوں سے جاپانیوں کی سپاہیانہ زندگی خراب ہوجائے گی حالانکہ اسی زندگی سے جاپان کی شان تھی اور

اور اسی پر اس قوم کی آئندہ سلامتی کا انحصار ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ "میں نے عمر بھر میں شہنشاہ کا خدمت گزار رہا اور اب میں دوسرے عالم میں بھی اس کی خدمت گزاری کا آرزومند ہوں۔

اس خودکشی کی خبر سے دنیا میں جو سنسنی سی پیدا ہوئی اس کا آپ اندازہ آسانی کر سکتے ہیں کیونکہ جس شخص نے روسی فوجوں کو پاش پاش کیا تھا اس کو ساری دنیا جانتی تھی۔ جاپانی قوم نے اس جانبازی کی تہ میں جو بلند تخیل مضمر تھا اس کی قدر کی اور آج ٹوکیو میں ایک شوالہ جنرل نوگی کی روح کے لئے وقف ہے۔ گزشتہ سال میں نے اس کی سیر کی اور جس وقت میں خاموش اس آستانہ کے سامنے کھڑا تھا اور اس ہستی کا دھیان کر رہا تھا جس کی یاد یہ شوالہ زبان حال سے دلاتا ہے تو اس وقت کچھ بچوں کی ٹولیاں اس شوالہ میں داخل ہوئیں۔ یہ بچے رنگ برنگ کے کپڑے پہنے ہو شوالہ کے سامنے سب بچے نہایت احترام سے جھکے ڈنڈوت بجالائے اور سیڑھیوں پر کھیلنے لگے لیکن ان بچوں کی آوازوں سے اس شوالہ میں موت کی آغوش میں سوتی بزرگ ہستی کے آرام میں کوئی خلل نہیں پڑا۔ ڈوبتے سورج کی کرنوں نے اس ننھے سے شوالہ کو جگمگا دیا اور میں اپنے گھر کی طرف اپنے آپ سے یوں کہتا ہوا لوٹا "واقعی اس جاپان کی سرزمین میں مُردے زندوں کے ساتھ ہی رہتے ہیں"۔

اسلاف کی ارواح مزاروں اور خودکشیوں کے متعلق آپ سے بہت کافی بات چیت ہوئی اب میں مضمون کو بدل دینا چاہتا ہوں اس ڈر سے کہ کہیں آپ یہ نہ خیال فرمائیں کہ میں طبعاً غمگین باتوں کی ٹوہ میں رہتا ہوں۔ یہ میں آپ سے ابھی کہہ چکا ہوں کہ جاپان میں فطرت کی چیزوں کی قدر عام ہے۔ لیکن اصلی قدردانی کے لئے سمجھ درکار ہے اور فطرت کی گوناگوں کیفیتوں دلگیر اور دلکشا دونوں طرح کے روپوں کو سمجھنے میں جاپانی اپنا مقابل نہیں رکھتے۔

جاپان میں بعض چائے خانے اس غرض کے لئے ہیں کہ وہاں سے برساتی منظر کی سیر کی جائے۔ بعض ایسے ہیں جہاں سے پانی پر چودھویں رات کی چاندنی کی بہار دیکھی جاتی ہے۔ جب آپ دوستوں کو دعوت دیں اور موزوں چائے خانہ کے انتخاب میں چوک ہو جائے تو ایسی چوک کو ایک غیر متمدنہ لہذا ایک بھونڈے دل و دماغ کی علامت سمجھا جائے گا۔

اس طرح جاپانیوں کے نزدیک پودے اور پھول بھی جانداروں کی طرح ہیں اور ان کے لئے بھی قریب قریب انسانوں کی سی غور پرداخت کی ضرورت ہے جب کوئی خاتون گلدان میں پھول سجاتی ہے تو ایک مامتا بھری ماں کی طرح پیار اور احتیاط سے ان کو بناتی سنوارتی اور سجاتی ہے اور وقت کو وقت نہیں سمجھتی جاپانی خاتون کے لئے پھول سہیلیوں کا کام دیتے ہیں۔ کمرہ میں پھولوں کی موجودگی اس بیزاری کے دور کرنے کو کافی ہوتی ہے جو تنہائی سے پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ جس دن پہلی دفعہ برفباری ہوتی ہے اس دن بنک اور دکانیں بند ہو جاتی ہیں اور ہزارہا آدمیوں کی ٹکڑیاں پہاڑیوں پر چڑھتی ہیں یا اور ایسے مقامات کو انتخاب کیا جاتا ہے جہاں سے فطرت کے بدلے ہوئے روپ کی بہار دیکھ سکیں۔

فروری کا مہینہ آتا ہے اور برف کی چادر میں سے آلوچے (پلم) کے درختوں میں کلیاں کھلتی ہیں۔ اس وقت مردوں عورتوں اور بچوں کے غول اس کی سیر دیکھنے کو نکل آتے ہیں۔ اس موقع پر موزوں طبع حضرات نظمیں لکھتے ہیں اور اس طرح قومی مسرت اور شادمانی کی ترجمانی کرتے ہیں اس کے بعد اپریل کے مہینہ میں شاہ دانہ (چیری) کے درختوں میں پھول آتے ہیں سینکڑوں اسپیشل ٹرینیں دوڑتی ہیں اور دور دراز سے لوگ ان مقامات کو جاتے ہیں جو ان خاص درختوں کے لئے مشہور ہیں فطرت پرستی کا یہ جوش و خروش قلیوں اور مزدوروں تک میں پایا جاتا ہے۔

رکھنے والا آپ کو برفباری کے طوفان میں پہاڑ پر گھسیٹے لئے جاتا ہے تو وہ کبھی یہ شکایت نہیں کرے گا کہ میں تھک کے چور ہو گیا ہوں بلکہ آپ کے گرد صنوبر کے گھنے جنگل پر برفباری سے جو لطیف اور نفیس اثر پیدا ہوتا ہے اس کی جانب آپ کی توجہ دلائے گا۔ اس فطرت پرستی نے جاپانیوں کو مصوروں اور صناعوں کی ایک قوم بنا دیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیا میں کوئی اور ملک ایسا نہیں ہے جہاں جاپان کی طرح اس کثرت سے قسم قسم کی حسین چیزیں بنائی جاتی ہوں۔ جاپانی گھروں میں معمولی روزمرہ استعمال کے برتن بھانڈے بھی اعلیٰ کاریگری اور سندر وضع قطع کے لحاظ سے فنون لطیفہ کے واقعی نمونے معلوم دیتے ہیں اور اس بات کے گواہ ہیں کہ جاپانیوں کی سرشت میں یہ آرزو جاگزیں ہے کہ زندگی کو حسین بنایا جائے۔ سنہ ۱۸۵۴ء میں جاپان کو مجبور کیا گیا کہ وہ پردیسیوں کے لئے اپنے دروازے کھول دے اور اس وقت سے جاپان کو سوا اس کے چارہ نہ تھا کہ وہ بھی معاشیاتی کشمکش میں حصہ لے لیکن اس کے باوجود بھی حسن کی چاہت جاپان میں بدستور باقی ہے اور یہ بات اس کا ثبوت ہے کہ حسن پرستی کا رجحان ان کی قومی روح کی گہرائیوں میں جڑیں پھیلائے ہوئے ہے۔

ایک دفعہ مغرب سے آمنا سامنا ہونے کے بعد جاپان کو اس بات کے محسوس کرنے میں دیر نہیں لگی کہ اگر جاپان کو اپنی آزادی کو صحیح سلامت رکھنا ہے تو پھر لازم ہے کہ اس کو محض حسین مصنوعات اور نفیس نظموں کے علاوہ بھی کچھ کرنا پڑے گا۔

چین اور دیگر مشرقی ممالک کا جو حشر ہوا اس سے جاپان سہم گیا اور جاپانیوں نے اپنی ساری توجہ اس جانب لگا دی کہ یورپ کی پیرہ دستی کی قوت کے راز کو سمجھے جسے جاپان کا جدید رنگ کا اختیار کرنا کہا جاتا ہے وہ اپنے بچاؤ کی ایک تدبیر تھی اس قوم نے یورپی تمدن کی اصلی قوتوں کو سمجھنے کی کوشش میں جس قدر محنت صرف کی

وہ بڑا ... ہے اور ان قوتوں کو سمجھ کر ان سے جو کام لیا وہ واقعی حیرتناک ہے۔ گزشتہ پچاس سال کی عرصہ مدت میں جاپان کا یا تو یہ حال تھا کہ اس قوم کی انوکھی اور نرالی ادا پر اور قوموں مربیانہ حیثیت سے مسکراتی تھیں یا اب یہ نوبت آپہونچی ہے کہ جاپان نے اپنے کو ابھار کر اس رتبہ کو پھونچا دیا ہے کہ آج وہ دنیا کی چار بڑی قوتوں میں کی ایک قوت شمار کیا جاتا ہے۔ سیاسی اہم باتوں میں اب اس کی رائے مانگی جاتی ہے اور اس کی رائے کا اسی طرح احترام کیا جاتا ہے جس طرح کہ ایک بڑی قوم کے خیالات کا ہونا چاہئے۔

لیکن جاپانی خوب سمجھتے ہیں کہ اب جو کچھ ان کی قدر و قعت کی جاتی ہے وہ چین۔ روس اور حال میں جرمنی پر جیت پانے سے حاصل ہوئی ہے۔ پیرس میں جاپانی سفیر مسٹر موتونو نے اس بات کو ایک دفعہ بہت وضاحت سے فرانسیسی سامعین کے سامنے طنزیہ کہدیا تھا۔

"جب تک ہم نے داخلی تمدن کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا جب تک ہم محض اہل قلم ارباب علم اور فن پیدا کرتے رہے آپ نے ہم کو نیم وحشی قرار دیا اور ویسا ہی ہمارے ساتھ برتاؤ کیا۔ اب کہ ہم جان لینا سیکھ گئے ہیں آپ ہمیں ... مہذب قوم پکارتے ہیں۔"

یہ بات کہ جاپان نے کس طرح یورپی تمدن کے کارآمد پہلوؤں کو اختیار کر لیا ... دلچسپ چیز ہے۔ جاپان نے اپنے قابل ترین لوگ بیرونی ممالک کو روانہ کئے اور ان کو ہدایت کی کہ جہاں جہاں وہ بھیجے گئے تھے ان ملکوں کے حالات کا نہایت غور سے مطالعہ کریں۔ ان کا بڑا کام یہ تھا کہ وہ ہر ملک کی خاص قوت کے منبعوں کو معلوم کریں اور وہ ترکیبیں اور طریقے تجویز کریں جن سے ویسے ہی نتائج خود اپنے وطن میں ظہور پذیر ہو سکیں۔

اس طرح بیرونی دنیا سے تعلقات کی ابتدا ہی سے جاپان نے اس بات کی احتیاط کی کہ وہ کسی ایک ملک کے ہی زیر اثر نہ رہے۔ جاپان یورپ اور امریکہ گیا جس طرح کوئی سودا سلف کے لئے بازار جاتا ہے اور صرف وہی چیزیں جاپان نے لیں جن کی ضرورت تھی۔ دوسری طرح یوں کہہ سکتے ہیں کہ جاپان نے "دودھ پر سے بالائی اتار لی اور اس کا خیال نہیں کیا کہ گائے کس کھیت کی ہے۔"

اس خذ ما صفا کی چال کا پھل یہ ملا کہ بجائے اس کے کہ جاپان پر مغربی رنگ چڑھ جاتا اس نے مغربی تمدن کی کارآمد چیزوں کو جاپانی بنا لیا۔ جاپان پر فرانس کا اتنا ہی اثر ہے جتنا انگلستان کا اور اسی قدر امریکہ کا رنگ ہے جس قدر جرمنی کا۔

ہم ہندوستانیوں کے برعکس جاپانیوں نے اپنی ساری توجہ ایک ہی ملک پر مبذول نہیں کی۔ انہوں نے ساری مغربی دنیا کو تفصیلی اور جزئی مطالعہ کی غرض سے چھان مارا اور یہ چھان بین تقریباً خوردبین کی سی تھی کہ ذرا سی چیز بھی ان کی نظر سے نہیں بچ سکی۔

جاپانی اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ جن معاملات کا تعلق فنون لطیفہ اور مذہب سے ہے یعنی ان چیزوں میں جو انسانی روح سے پیوستہ ہیں ان کو مغرب سے کوئی بات سیکھنے کی ضرورت نہیں اور یہ کہ ان کے اپنے سماجی رواج اور قومی عقیدے یورپی لوگوں کے رواج اور عقیدوں کی طرح نفیس اور منطقی حیثیت سے اتنے ہی مضبوط ہیں چنانچہ اس قوم کی باطنی زندگی اسی رخ پر بہتی رہی جس پر بہتی آئی ہے اور اس پر بیرونی ملکوں سے جو چیزیں لی گئیں ہیں ان کا کوئی اثر نہیں پڑا۔

یہ امر واقعی اس وقت اور بھی روشن ہو جاتا ہے جب آپ کسی جاپانی گھر میں داخل ہوتے ہیں کیونکہ سوائے ایسی خاص صورت کے کہ صاحب خانہ کے فرائض میں یہ بات داخل ہو کہ پردیسیوں کی اکثر خاطر مدارات کی جائے آپ کو کسی کمرہ میں ایک کرسی

یا موقعہ نہ نظر نہ آئے گا۔ کرسی کی جگہ آپ کو ریشمی گدّا بیٹھنے کو دیا جائے گا۔ نہ آپ کو اس گھر میں یورپی صناعی کی ادنیٰ درجہ کی گھٹیا چیزیں دکھائی دیں گی جو ہمارے ہاں کی بعض بڑی عالیشان عمارتوں کی دیواروں کو اکثر بھونڈا بناتی ہیں۔

غرض اس طرح پہلو بہ پہلو دو طرح کے جاپان نشو و نما پا گئے ہیں۔ ایک تو وہ جاپان جو شاہدانہ (چیری) کی کلیوں کے حسن کا دلدادہ ہے اور دوسرا وہ جاپان جو جدید کارخانوں کی تعمیر میں منہمک ہے تاکہ حصول ثروت کی دوڑ میں پھسڈی نہ رہے کیونکہ اس میدان میں یورپی قوموں کا ایشیائی حریف صرف جاپان ہی ہے۔ چونکہ دوسرے قسم کے جاپان کی بدولت ہی پہلی وضع کے جاپان کی بقا ممکن ہے اس لئے جو بھونڈا پن جاپان کے صنعتی شہروں میں پایا جاتا ہے وہ بہت کچھ درگذر کے قابل ہے۔

یورپی اور امریکی وضع پر بڑے بڑے کارخانوں کا قیام اور ان کارخانوں کی وجہ سے سرمایہ اور محنت کی تنظیم یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان کا اثر صنعتی [illegible] میں ہو رہا ہے جاپان کے مزدور پیشہ بھی یورپ کے مزدوروں کی طرح اپنی حالت سے غیر مطمئن نظر آنے لگے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آج کل جو عالمگیر سرمایہ اور محنت کی لڑائی چھڑی ہوئی ہے اس کے حل کی جاپان کیا صورت نکالتا ہے۔

ذاتی طور پر میرا یہ عقیدہ ہے کہ جاپانیوں کی زبردست وطن پرستی اور کامل وفاشعاری کی قومی روایات ایسی رکاوٹیں ہیں کہ اس مرض کو لاعلاج نہ ہونے دیں گی اور ان روایات کی بدولت مزدور پیشہ لوگوں کے تلخ و ترش احساسات کی ان شدید شورشوں سے جاپان مامون اور مصئون رہے گا جن کی ڈراونی جھلک پچھلے چند سال سے اکثر ممالک کے اخباروں میں اس قدر نمایاں رہی ہے۔

لیکن مزدور پیشہ لوگوں کی بددلی سے خواہ وہ آئندہ کیسی ہی صورت اختیار کرے جاپان کو اتنا خطرہ نہیں ہو سکتا جتنا کہ اس وقت جاپانی چھٹ بھئیے سوداگروں کی

اخلاقی یا یوں کہئے کہ غیر اخلاقی حالت سے جاپان کو درپیش ہے ۔ یہ سوداگر ہمیشہ سے کچھ یوں ہی سے ایماندار تھے کہ جنگ عظیم کے دوران میں ان کو آسانی سے بڑے بڑے نفع کمانے کا موقع ملا کیونکہ اور ملک جرمنی سے جنگ کرنے میں مشغول تھے ۔ اور اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے بہانے برسنے نے ان کی رہی سہی اخلاقی حالت اور بھی بگاڑ دی ۔ میں خود ان لوگوں کی لالچ کا اکثر شکار بنا ہوں اور اس حیثیت سے میرے دل میں ان کے خیال سے جو احساسات پیدا ہوتے ہیں ان میں ایک خاص تلخی ہوتی ہے ۔ یہ لوگ جاپان کی قومی زندگی پر نہایت ناپاک دھبہ ہیں اور ان کی طمع سے جاپان کو ممالک غیر میں جو ضرر پہونچ رہا ہے اگر اس کی جلد روک تھام نہ کی گئی تو وہ پھر لاعلاج ہو جائے گا ۔

جاپانی قوم کے اور طبقوں سے وہاں کے تاجروں کے اخلاق اس قدر جداگانہ اس وجہ سے ہیں کہ اس ملک میں زندگی کے متعلق پردیسی خیالات کے رونما ہونے سے پہلے جاپانی قوم کی نظر میں تجارت کا پیشہ بہت گرا ہوا تھا اور اسے کسب معاش کا ذلیل ترین ذریعہ سمجھا جاتا تھا ۔ اگلے وقتوں میں تاجروں کا طبقہ جاپان میں سب سے نیچے تھا اور اس زمانہ میں بھی حالانکہ جاپان کی زندگی آتنی بدل چکی ہے جاپان نے اپنے بڑے بڑے تاجروں کو جو رتبہ دے رکھا ہے وہ اس مرتبہ سے جو یورپ اور امریکا میں تاجروں کو حاصل ہے بہت ہی گھٹیا ہے ۔

قوم کے بہترین نمونے فوج اور بحریہ اور حکومت کے انتظامی سررشتوں میں پائے جاتے ہیں ۔ اس طرح جاپان کے چھوٹے موٹے تاجر سے ایمانداری کی توقع ایسی ہی ہے جیسے ہندوستان میں ایک برہمن کی ذہنی نفاست کی ایک نیچ قوم کے آدمی سے اُمید کی جائے ۔

یہ جاپان کی خوش نصیبی ہے کہ جاپان کے ارباب حکومت اب اس نقصان کو پوری طرح محسوس کرتے ہیں جو ان کے وطن کو ان تاجروں کی دھوکہ بازی کی چالوں سے

پہونچ رہا ہے۔ اور کوشش کی جارہی ہے کہ اس برائی کو جہاں تک ممکن ہو اس طرح کم کیا جائے کہ جاپان کی برآمدی تجارت پر ایک طرح کی سرکاری نگرانی قائم کردی جائے۔

لیکن اس وقت دو اور خطرے جاپان کے سامنے ہیں۔ ایک کا سبب تو چین کی خانہ جنگیاں ہیں جو اس ملک کے پیچھے مرض کہنہ کی طرح لگ گئی ہیں اور دوسرے کا باعث امریکہ کا وہ مخالفانہ پہلو ہے جو اس نے ایشیا کے متعلق اختیار کیا ہے اور جس کی وجہ سے امریکہ نے دو برس ہوتے ہیں کہ ایشیائی لوگوں کو اپنی قلمرو میں داخل ہونے اور بسنے کی قانوناً ممانعت کردی ہے جاپانی قوم نے اس ممانعت کو بجا طور پر اپنی ہتک تصور کیا۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر اس فساد کی جڑ کو دور نہیں کیا گیا تو بہت ممکن ہے کہ ایشیا میں ایک ویسی ہی بڑی جنگ برپا ہوجائے جیسی کہ ابھی یورپ میں ہوچکی ہے اور جس کے اثرات سے ابھی تک یورپ سنبھل نہیں سکا ہے۔

وہی امریکہ جس نے سب سے پہلے جاپان کو اپنے دروازے مغربی دنیا کے لئے کھولدینے پر مجبور کیا اب جاپانی لوگوں کا داخلہ اپنے ملک میں معاشیاتی ضرورت کی بنا پر بند کردے۔ یہ واقعہ قضا و قدر کی ایک ایسی ستم ظریفی ہے جو اس قابل ہے کہ ایشیائی ممالک اس کا غور سے مطالعہ کریں۔

ساری دنیا تو صلح اور امن کی خواہاں ہے اور اس دھن میں لگی ہوئی ہے کہ ایسی باتیں دور کردی جائیں جن سے ایک اور عالمگیر آتش زدگی کا خدشہ ہو امریکہ کل ایشیا کو خفیف اور خوار کرنے پر تلا ہوا ہے جس کا انجام خونریزی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

امریکہ کا اس طرح آنکھیں بدل لینا ایک طرح اچھی بات بھی ہوئی۔ اس سے جاپانیوں کو اپنی قومی زندگی کی بنیادوں کی دوبارہ جانچ پڑتال کرنی لازمی ہوگئی تاکہ جو چھپی چھپائی باتیں ایسی رہ گئی ہیں جن سے آیندہ کمزوری پیدا ہو ان کو دور

اُردیا جائے۔

امریکہ کی اس حرکت سے جاپان پر یہ بات بھی بخوبی روشن ہوگئی کہ ایشیائی طاقت کی حیثیت سے جاپان تن تنہا ہے۔ اور اس احساس نے جاپانیوں کو چین کے ساتھ اپنی پالیسی کے بدل دینے پر مجبور کر دیا ہے وہ اب اس بات کے آرزومند ہیں کہ چین کی حالت مضبوط اور غیر متنزلزل ہو جائے اور وہ ایک قومی اور عمدہ نظم و نسق والی قوم بن جائے۔

اگر چین اپنی ان کوششوں میں کامیاب ہو جائے جو وہ اپنی قوت اور اپنے ذرائع کی تنظیم کی غرض سے کر رہا ہے تو ایشیا کو جگت سیاسیات میں وہ کار گر اثر حاصل ہو جائے گا جس کی نوع انسان کے ایک بڑے حصہ کی آیندہ بہبودی سخت متقاضی ہے۔

اس وقت بھی کہ میں آپ سے یہ باتیں کر رہا ہوں اس بڑے ملک چین میں اہم واقعات معرض ظہور میں آرہے ہیں جن میں آیندہ دلچسپ صورت حالات کی پرچھائیاں ابھی سے دکھائی دیتی ہیں۔

ہم ہندوستانیوں کو لازم ہے کہ ان واقعات کا بڑی توجہ کے ساتھ مطالعہ کرتے رہیں کیونکہ اس طرح ہم اندازہ کر سکیں گے کہ جس ملک کی آبادی شیر و شکر ہو کر یک جان نہ ہو جائے اس کو سیاسی اتحاد کے حاصل کرنے کے لئے کن کن کٹھن منزلوں میں سے گزرنا پڑتا ہے اور کیا کیا دکھ سہنے پڑتے ہیں۔

یہ ایک کھلی بات ہے کہ وہ دن کچھ دور نہیں کہ کل ایشیائی ممالک اپنے بچاؤ کی غرض سے ایک اتحاد قائم کرلیں گے۔ اور ان ممالک میں سے جاپان نے ابھی سے ساری ایشیا کو اس مقصد کو پیش نظر رکھکر بھانپنا شروع کر دیا ہے جاپان نے ترکی میں اپنا ایک سفیر بھیج دیا ہے اور ایک ایلچی عنقریب ایران

جانے والا ہے اور ایک معاشیاتی جماعت حال ہی میں افغانستان سے واپس آئی ہے۔

اس ڈر سے کہ کہیں میرے بیان سے آپ یہ خیال کریں کہ جاپان کا ارادہ لڑائی بھڑائی کا ہے میں آپ کو مطلع کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ حال کی جرمنی کی لڑائی اور اس خونریزی کے بعد فاتح اور مفتوح کی زدہ حالی نے جاپان کے دل میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ جن لڑائیوں کا مقصد محض جارحانہ دستی ہوتا ہے وہ بے ثمر اور بے سود ہوتی ہیں۔ لیکن جاپان کا یہ عقیدہ ضرور ہے کہ اپنی مدافعت کے لئے انتظام کو قوی رکھنا چاہئیے اور اس خصوص میں جاپان جہاں تک اس کے امکان میں ہے اپنا انتظام مکمل کرے گا۔

دنیا کو مطمئن رہنا چاہئیے کہ جاپان صرف اسی صورت میں تلوار اٹھائے گا کہ اسے یقین ہو جائے کہ اس کی زیست ہی معرض خطر میں ہے اور یہ کہ اپنی جان کے تحفظ کی کوئی اور صورت جنگ کے سوا نہیں رہی ہے۔ ساری نوع انسان کا فائدہ اسی میں ہے کہ ایسی صورتِ حالات کو پیدا نہ ہونے دیا جائے۔

ایک اور ضروری مسئلہ جاپان کو یہ حل کرنا ہے کہ اپنی فاضل آبادی کے لئے کوئی مخرج مہیا کرے۔ اس مسئلہ کی پوری اہمیت کا آپ میرے اس کہنے کے بعد اندازہ کر لیں گے کہ جاپان کا رقبہ ممالک محروسہ کے دگنے رقبہ سے کم ہے لیکن اس کی آبادی تقریباً ساڑھے چھ کروڑ ہے اور سالانہ اضافہ کی بھاری تعداد سات لاکھ ہے۔ ملک کا (⅔) حصہ پہاڑی ہے جہاں کاشت نہیں کی جا سکتی اور اس کے باوجود آبادی کی یہ حالت ہے۔

امریکہ نے جاپانی بسنے والوں کو اپنے ہاں آنے سے روک دیا اور اس وجہ سے یہ مسئلہ اور بھی نازک ہو گیا ہے۔ جاپان اور ممالک میں جگہ تلاش کر رہا ہے لیکن ابھی تک

اس مسئلہ کے حل کی قابل اطمینان صورت نہیں نکلی ہے۔

جاپان اور جاپان کے ساتھ کل ایشیا نے یہ بات اب معلوم کر لی ہے کہ مساوی مواقع اور مساوات انسان کے اصول جن پر امریکہ بڑے زور شور سے وعظ کہتا رہا ہے در اصل سیاسی منتر ہیں۔ جمہوری حکومتیں بھی ان منتروں کو ان کمزور قوموں کے کان میں پھونک کر ان کو مسحور کر دیتی ہیں جن کی دولت و ثروت وہ اینٹھنا چاہتی ہیں۔

جاپان نے جس تیزی کے ساتھ ترقی کر کے ایک بڑی طاقت کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے۔ یہ کوئی معجزہ نہیں تھا کیونکہ جاپان کی ترقی میں کوئی بات فوق الفطرت نہیں ہے۔ جاپان نے جو کام کیا ہے اور قومیں بھی کر سکتی ہیں بشرطیکہ وہ اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ کوئی قوم بڑے بڑے کام اس وقت تک نہیں کر سکتی جب تک اس کے افراد صوبائی ... سے کام کرنے کو تیار نہ ہو جائیں اور آپس میں اس وفا شعاری پر عمل نہ کریں جو قومی قوت کی اصل بنیاد ہے۔

میرے لئے تو اے حضرات وہ سرزمین جہاں نکلتے سورج کا پھریرا لہراتا ہے ایشیا کی امیدوں کے ابھرنے کی سرزمین ہے۔ اس خطہ کی گلکار وادیوں اور زمرد رنگ ٹاپوؤں میں میری روح کھل کھیلتی ہے ـــــ یہاں تک کہ ماضی حال اور مستقبل سب ایک ہو جاتے ہیں۔ میری روح اس اداسی کی نقاب میں سے پار ہو جاتی ہے جو ایشیا پر چھائی ہوئی ہے اور میری چشم باطن کے سامنے ایک ایسا حسین اور شاندار نظارہ کھل پڑتا ہے جس کے آگے وہ سندر سے سندر چیزیں جو میری ظاہری آنکھ نے دیکھی ہیں نظروں میں جچتی نہیں اور جس کے مقابل چاندنی کی کرنوں سے جگمگاتی رات میں خود یادونیشر فوجی یاما کا حسین منظر بھی ماند سا پڑ جاتا ہے۔

ایک دفعہ جاپان کے ایک جنگل میں جو ایک گزرے عہد کی یادگاریوں سے معمور تھا میرے کانوں میں بزرگ رفتگاں کی روحوں کی آوازیں فضا میں سے لہراتی ہوئی آئیں۔ ان آوازوں نے جو کچھ کہا اس کا منشا یہ تھا۔

"تو کہ اس ہماری سرزمین میں ایک اجنبی کی طرح آیا مگر جسے یہاں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اپنی روح کو صبر کے ہاتھوں قابو میں رکھ۔ جو بپتا کہ تجھ پر گزر رہی ہے ہم اس نا آشنا نہیں کیونکہ ہم بھی ایسی بپتا سہ چکے ہیں۔ اس کو مت بھول کہ مشرق کا زبردست ورثہ صبر ہے اور صبر اور ایماندارانہ کام سے ہی تیرے ہم وطن وہ چیز اپنے لئے پیدا کر سکتے ہیں جس کو معرض وجود میں لانے کے وہ آرزومند ہیں تیرے زبردست ہم وطن۔ گوتم بدھ ہی نے ہم کو دنیا کی ہر برائی کا یہ علاج سکھایا اور ہم آج اسی علاج کو یاد دلاتے ہیں کیونکہ ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ تیرے دیس کے لوگوں نے اس اکسیر کو بری طرح بھلا رکھا ہے۔"

پھر یہ آوازیں خاموش ہوگئیں اور میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور میں نے مغرب کی طرف جدھر میری جنم بھومی ہے نظر بھر کے دیکھا۔ ادھر سورج دھیرے دھیرے کندن سے دمکتے دھندلکے میں ڈوب رہا تھا۔

مطالعۂ قدرت کینچوؤں کی عادتیں

زمینی کینچوے کی عادتیں بیان کرنے سے قبل چاہئے کہ اس جانور کی شکل وصورت کا بغور معائنہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ شکل اور ساخت میں اور جانوروں سے مختلف ہے۔

تمام حیوانی دنیا کو دو بڑی شاخوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے اور ارسطو کے زمانے ایسی ہی تقسیم کی گئی ہے۔ ادنی گروہ میں وہ جانور شمار کئے جاتے ہیں جن میں ریڑھ کا ستون نہیں پایا جاتا۔ کینچوا ایلاسٹک وسے سے ادنی جانور ہے۔ یہ جونکوں کا قرابت دار ہے پوری بناوٹ کے لحاظ سے ایسے جانوروں سے بہت زیادہ مختلف ہوتا ہے جیسے چوہا اور خرگوش ہیں۔

کینچوے کا جسم کا دم اور کئی حلقوں سے بنا ہوا ہوتا ہے (شکل ۱) تکبیری شیشے سے جسم کا امتحان کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہر ایک حلقہ میں کئی ایک سخت بال ہوتے ہیں (شکل ۲) حقیقتاً یہ اس کے چلنے کے اعضا ہیں ان کی مدد سے کینچوا اپنے بلوں میں بہ آسانی چل پھر سکتا ہے۔ اور زمین کی گرفت نہایت مضبوطی سے کرسکتا ہے

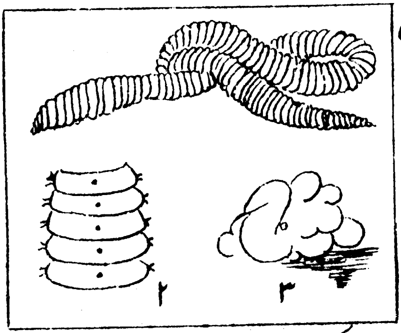

۱۔ زمینی کینچوا

۲۔ زمینی کینچوے کے جسم کا ایک حصہ (تکبیری شیشے میں) حلقوں پر بال دکھائی دے رہے ہیں۔

۳۔ زمینی کینچوے کی "طین"

عموماً کینچوا نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے لیکن یہ انسان کا بڑا دوست و مددگار ہے۔ اب ہم اس کی محنت و مشقت کے نتائج دیکھیں گے۔

اس بات کا بیان کرنا لازم ہے کہ کینچوا زمین میں سرنگ بنا کر رہتا ہے۔ موافق موسم میں یہ اکثر زمین کی سطح پر رہتا ہے لیکن اکثر اوقات زمین میں دو فٹ کی سرنگ بنا کر رہتا ہے۔

اگر زمین چکنی اور پولی ہو تو یہ اپنے طاقتور اور نکیلے جسم کی مدد سے بہ آسانی سرنگ بنا لیتا ہے لیکن بعض زمینات نہایت سخت اور گٹھیلی ہوتی ہیں اور اپنی سرنگ بنانے کے لئے کینچوا اور ہی طریقہ اختیار کرتا ہے۔

ایسی حالت میں کینچوا زمین کو کھاتا جاتا ہے اور اپنا راستہ کاٹتا جاتا ہے یہ مٹی کو نگل جاتا ہے اور اگر اس میں غذایت ہو تو اس کو حاصل کرنے کے بعد باقی مٹی کو زمین کی سطح پر خارج کر دیتا ہے۔ اس خارج شدہ مٹی کو "طین" کہتے ہیں۔

زمینی کینچوے اور پرندوں کے جسم میں بہت بڑا اختلاف ہے لیکن ان دونوں کے جسم صرف ایک نہایت اہم بات میں مشابہت رکھتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ پرندوں کی طرح کینچوے میں بھی غذا کو پاش پاش کرنے کے لئے سنگدانہ موجود ہوتا ہے یہ سنگدانہ نہایت عضلاتی ہوتا ہے اور اس میں کروی شکل کے پتھریلے ریزے پائے جاتے ہیں۔ پس سنگدانہ ایک جاندار چکی کی طرح کام کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کینچوے کے جسم سے خارج کی ہوئی مٹی (طین) نہایت ہی باریک ہوتی ہے۔ زمین میں سڑے ہوئے پتے اس کی غذا ہیں۔ اور یہ بھی سنگدانے میں پس کر ہضم ہو جاتے ہیں۔

کینچوے کے کرتب

کینچوے کو صرف اس ہی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے کہ یہ زمین کھود کر رہتا ہے۔ اس کی سرنگیں زمین کو پولا کر کے اس کو ہوادار بناتی ہیں اور کسانوں اور باغبانوں کے لئے نہایت مفید ثابت ہوتی ہیں۔ کینچوا کاشت کے لئے نہایت

کارآمد ہے البتہ صرف ایک ہی کینچوا کاشت میں کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ ہزاروں کینچوے مل کر اس کام کو انجام دیتے ہیں اور اس کے نتائج تعجب خیز ہوتے ہیں۔

چارلس ڈارون نے اپنے طالب علمی کے زمانے سے مرتے دم تک نہایت صبر و تحمل سے کینچوؤں کے کرتبوں کا مطالعہ کیا اور صاحبِ موصوف کا تجربہ ہے کہ ایک ایکڑ زمین میں ..... ۵ کینچوے تک پائے جاتے ہیں اور بعض اوقات ... ۵۰۰ تک بھی ہوتے ہیں یہ نیچے کی تہ کی مٹی کو متواتر اوپر سطح پر لاتے رہتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ زمین کی سطح پر کی مٹی ہر پانچویں سال ایک انچ یا اس سے کچھ زیادہ اندر کی طرف دھس جاتی ہے پس ہم اس سے نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ انسان کی عمر طبعی کی عرصہ مدت میں ایک کھیت کی مٹی ایک تا دو فٹ تک بدل جاتی ہے ور نہایت باریک مٹی سطح پر ... ہے۔

عملی کام ... ایک باغ یا کھیت میں ایک مربع گز زمین پر نشان لگاؤ اور مقررہ اوقات پر کینچوے کی "طین" کو گنو اور اُن کا وزن معلوم کرو۔

دن کے وقت اور رات کو بھی اس مقام کو دیکھتے رہو اور کینچوے کی مصروفیت کا وقت معلوم کرو۔

سڑے ہوئے پتّے زمین پر بکھیر دو اور رات کے وقت قندیل سے دیکھ کر بیان کرو کہ کیا دیکھا تھا؟

بعض وقت کینچوے کے سر کا سرا اور بعض وقت دم کا سرا بل کے باہر نکلتا ہے۔ کینچوا سرنگ میں کیسے پلٹتا ہے؟ نہایت ہوشیاری سے سرنگ کو کھود کر اس کے کشادہ موڑ توڑ دیکھو۔

ایک گملے میں نمناک مٹی ڈال کر کچھ کینچوؤں کو رکھو اور کبھی کبھی سڑے ہوئے پتّے ڈالدیا کرو۔ ان کی رہائش پر ایک مضمون لکھو اور جو جو دیکھو اس کی شکلیں کھینچو۔

درختوں کے نیچے کینچوے کی سرنگ کھود کر دیکھو کہ اس میں نیم گلے ہوئے پتے پائے جاتے ہیں یہ بھی دیکھو کہ سرنگ کا اخیر حصہ ان پتوں سے ڈھکا رہتا ہے۔

صرف ایک ہی سرنگ کو بغور دیکھو کہ کینچوا اندر جانے کے بعد اوپر کے راستے کو کیسے بند کرتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ کینچوا سطح پر کے سوراخ کو بند کر دیتا ہے؟

تبدیلیوں کی آزدونوشت وخواند

نمبر ۱

مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ کے ہم رہین منت ہیں کہ انہوں نے اس اہم مضمون پر نہایت تفصیلی مضمون لکھا ہے۔ یہ مضمون اساتذہ کے لئے بیحد مفید اور ماہرین فن تدریس کے لئے نہایت دلچسپ چیز ہے۔ مولوی صاحب کی مہارت فن تعلیم اور خوبی اسلوب کا یہ مضمون ایک اعلیٰ نمونہ ہے

شریک مدیر

اہم مسائل تعلیمی درس وتدریس کے متعلق ہر مدرس کو تین نہایت اہم حل طلب مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اول یہ کہ کیا پڑھانا ہے؟ یعنی معلم کو مضمون زیر درس پر کافی عبور اور جو کچھ پڑھانا ہو اس سے پوری واقفیت حاصل ہونی چاہئے۔ اگر خود معلم کا ذخیرہ معلومات ناکافی، محدود اور غیر معین ہو تو وہ ہرگز طلبا کے ذہن پر مضمون زیر درس کا واضح اور روشن نقش قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ معلم کی معلومات جس قدر وسیع و عمیق ہوں گی اسی قدر وضاحت اور صفائی کے ساتھ وہ اپنے خیالات طلبا کے سامنے

پیش کر سکے گا۔ جو کچھ لڑکوں کو بتانا ہو اس سے کہیں زیادہ معلم کی واقفیت ہونی چاہیئے جس شے پر درس دینا ہو اس کی ماہئیت و نوعیت۔ بدو آغاز۔ اسباب و علل حالات و واقعات۔ ارتقاء و ترقی۔ مدارج و منازل۔ عواقب و نتائج الغرض اس کے تمام نکات و کنہیات پر مدرس کا دماغ محتوی ہونا چاہیئے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کس کو پڑھانا ہے؟ معلم کے لئے مطالعۂ اطفال کی سخت ضرورت ہے۔ مدرس کو چاہیئے کہ ارتقائے نفسی کے مختلف مدارج اور متفرق العمر طلبا کی ذہنی صلاحیت جسمانی و اخلاقی ترقی۔ ان کے رجحانات و میلانات۔ جذبات و احساسات۔ طبائع و فطری خواص سے کامل واقفیت حاصل کرے۔ اصول نفسیات سے ناواقف اساتذہ طلبا کے قوائے ذہنیہ کی کیفیت و کمیت کی لاعلمی کے باعث کبھی ایسے دقیق اور رادق مضامین پر درس دینے لگتے ہیں جو لڑکوں کی دماغی رسائی سے بالاتر ہوتے ہیں اور کبھی نہایت سہل اور معمولی باتیں بیان کرتے ہیں جو بچوں کو پہلے ہی سے معلوم ہوتی ہیں۔ دونوں حالتوں میں تدریس غیر موثر ہوگی۔ پہلی صورت میں طلبا سبق کے سمجھنے ہی سے قاصر رہیں گے۔ اور دوسری حالت میں یہ ایں خیال کہ انہیں کوئی نئی واقفیت بہم نہیں پہنچائی جارہی ہے بلکہ محض ان کی سابقہ معلومات کا اعادہ ہورہا ہے طلبا سبق کی جانب اپنی توجہ مبذول نہیں کریں گے۔ لہذا سبق کو ہمیشہ طلبا کی ذہنی قابلیت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ کس طریق پڑھایا جائے؟ یعنی کون سے مسائل اور طریقے اختیار کئے جائیں کہ قلیل ترین وقت اور سعی کے صرفہ سے کثیر ترین تعلیمی فوائد مترتب ہوں۔ ایک مسئلہ کی تفہیم کے کئی طریقے ہوتے ہیں۔ ترقی یافتہ دماغ باریک اور فلسفیانہ براہین کا متحمل ہوسکتا ہے لیکن بلید الفہموں کو کوئی بات موٹی موٹی مثالوں کے ذریعہ سمجھانی پڑتی ہے۔ منجملہ متعدد طریقوں کے کسی ایسے طریقہ کی دریافت جو مبتدیوں کے لئے زود فہم اور

مفید ہو آسان ا ر نہیں ہے۔ ہر طریقہ میں کچھ محاسن اور کچھ نقائص دونوں پائے جاتے ہیں
ہم طریقوں کا باہمی مقابلہ کرنے اور ان کی خوبیوں اور خامیوں پر غائر نظر ڈالنے کے بعد
جو طریقہ متعلمین کی ذہنی رسائی کے مطابق پایا جائے اور جس میں مقابلتاً اسقام کم اور
فوائد زیادہ ہوں اُسے اختیار کرنا چاہئے۔ بہر حال یہ تین عام مسائل ہیں جن سے
ہر قسم کے درس میں معلمین کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اردو نوشت وخواند کے
متعلق ان مسائل ثلاثہ کی ہیئت و نوعیت کیا ہے۔

بدو لسان | مسئلہ اول کا اقتضا ہے کہ وسعت نظر سے کام لیکر بدو لسان اور آغاز
رسم خط پر ایک اجمالی نگاہ ڈال لی جائے۔ اور پھر زبان اردو کی ماہیت اور خصوصیت پر
ذرا تفصیل سے بحث کی جائے۔ مطالعہ تاریخ سے کسی ایسے عہد کا پتہ نہیں چلتا جب کہ
انسان زبان وگویائی سے بے بہرہ رہا ہو۔ اس لئے عوام کا خیال ہے کہ جب وقت
انسان تم عدم سے منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا معاً اس کا نطق بھی آ موجود ہوا۔ جس طرح
کھانا پینا۔ سونا جاگنا۔ چلنا پھرنا وغیرہ لوازم حیوانی ہیں جو بغیر کسی زحمت و تکلف کے
خود بخود قدرتی طور پر عمل میں آتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح نطق و گویائی بھی انسان کا
فطری خاصہ ہے جس کی تخلیق کسی انسانی دماغ سوزی کا نتیجہ نہیں۔ زبان قدرت کی
ودیعت کردہ نعمت ہے جس میں انسان کی اختراع وصنع کو کچھ دخل نہیں ہے۔
الغرض عام خیال کے مطابق ابتدائے تمدن ہی سے زبان نے انسان کا ساتھ
دیا ہے۔ لیکن تحقیق تریب نے اس خیال کو بے بنیاد اور کاواک ثابت کر دکھایا ہے
آج کل علمی دنیا میں نظریہ ارتقا کا زور شور ہے۔ اسی نظریہ کی روشنی میں ہر شئے کے
بدو آغاز کا سراغ لگایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خود انسان کی آفرینش کے متعلق
قرائن وقیاسات کے گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں۔ اس نظریہ کی رو سے انسان
تم عدم سے معرض وجود میں نہیں آیا ہے بلکہ جسم حیوانی سے رفتہ رفتہ ترقی

کرکے جامہ انسانی زیب تن کیا ہے۔ ڈارون کے تخیل نے جو مسئلہ ارتقاء کا بانی کہلاتا ہے
بوزنہ کو انسان کا مورث اعلیٰ قرار دیا ہے۔ لہٰذا جس طرح حیوانات یا ان میں گل سے بڑی
حیثیت رکھنے والے بندر نطق و گویائی سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں اور محض چند
بے ترتیب و بے معنی اصوات نکالتے ہیں اسی طرح ابتدائے تمدن میں حضرت
انسان بھی زبان و لسان کی بیش بہا نعمت سے محروم اور صرف چند مہمل آوازوں پر
قادر تھے۔ تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ بھوک اور پیاس کی طرح نطق کوئی فطری اور وہبی
عمل نہیں ہے بلکہ اکتساب و تحصیل کا مرہون منت ہے۔ مشہور قصہ ہے کہ انسان کی
فطری زبان دریافت کرنے کے لئے خاندان مغلیہ کے سرآمد بادشاہ جلال الدین محمد اکبر نے
چند نوزائیدہ بچوں کو آبادی سے دور گنگ محل میں اصم و ابکم اتالیقوں کے زیر نگرانی
پرورش دلائی تھی۔ بڑے ہونے پر یہ لڑکے وہی آوازیں نکال سکتے تھے جو انہوں نے
جنگلی پرندوں سے سنی تھیں۔ بعض ایسے بچے بھی برآمد ہوئے ہیں جن کو بھیڑیوں نے
اپنے بھٹوں میں پرورش کی تھی۔ یہ بچے بھی نطق و گویائی سے یکسر بے بہرہ پائے گئے
انسان کی فطری زبان کے متلاشیوں کو ان واقعات پر غور کرنا چاہئے کہ اگر بچے کا
پاؤں کچل جائے تو وہ صرف "قین" کی آواز نکالتا ہے۔ اگر کسی کو زور سے چٹکی بھری
جائے تو سوائے "سی" کے اور اگر یکایک ڈرا دیا جائے تو بجز "ہو" کے اور کچھ اس کی
زبان سے نہیں نکلتا۔ پس ظاہر ہے کہ ابتداءً انسان جانوروں کی طرح بجز چند
بے معنی اصوات نکالنے کے کسی مرتب زبان کے استعمال پر قادر نہ تھا۔ علمائے
لسانیات اس دور کو "عہد رموزی" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ چونکہ انسان
ابتدائے آفرینش سے مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ لہٰذا ایک ساتھ مل کر رہنے سے
تبادلہ خیالات کی ضرورت پیش آئی ہوگی تاکہ شکار و صید افگنی میں ایک دوسرے کی
مدد حاصل کی جا سکے۔ اور تمام کام بسہولت انجام پا سکیں۔ اس مقصد کے لئے اول اول

صرف چند اشارات و علامات مقرر ہوئے جن سے ادائے مطلب کا کام ناقص طور پر
انجام پاتا تھا۔ چونکہ ضروریات زندگی بعض معمولی مادہ اور تقاضائے فطرت کے اندر
ہوتی تھیں۔ آبادیاں نہایت قلیل تھیں۔ پیٹ بھرنے کے لئے بناس پتی۔ کند مول یا شکار کا
گوشت۔ تن ڈھانکنے کے لئے چوڑی پتیاں یا چمڑے۔ شدائد موسمی سے محفوظ رہنے کے لئے
پہاڑ کے غار یا درختوں کے کھوکھلے تنے کافی تھے۔ اس لئے عرصہ دراز تک صرف
زبان رموزی یعنی جسم کی حرکت۔ اعضا و جوارح کی جنبش۔ دست و چشم کے اشارات
اور اشیائے مادی کے علامات سے ان کے تمام کام حسب مرضی نکلتے رہے۔
الغرض محض اشارات و علامات وہ قدیم داہم آلات تھے جنکے ذریعہ سے تبادلۂ ضروریات
و خیالات کا کام عرصہ دراز تک انجام پاتا رہا۔

لیکن رفتہ رفتہ آبادیاں بڑھنے لگیں۔ ضروریات میں وسعت احتیاجات
افسانہ ہونے لگا۔ معاشرتی تنظیم و معاملات پیچیدہ ہوتے گئے۔ تمدن نے چند قدم
آگے بڑھائے۔ اب محض اشارات و علامات ناکافی ثابت ہونے لگے۔ رموزی طرز اظہار میں
طرح طرح کی دقتیں واقع ہونے لگیں۔ چونکہ ترقی تمدن کے ساتھ ساتھ آواز اور اصوات نے
بھی ترقی کر لی تھی اس لئے لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ آواز و تکلم ادائے مطلب کے لئے
کام میں لایا جائے۔ اور ہوا کو واسطہ بنایا جائے۔ پس اشارات و علامات کے بجائے
آوازوں سے کام لیا جانے لگا۔ تمام اشیا و افعال کے لئے نام مقرر کئے گئے
تاریخ لسانی میں اس دور کا نام عہد صوتی ہے کیونکہ حرکت جسمانی و علامت اشیا کو
ادائے مطلب کا ذریعہ قرار دینے کے بجائے اب ہوا اور اصوات کے توسط سے کام
لینے کا اہتمام کیا گیا۔ زبان کی مملکت میں یہ بہت بڑا انقلاب تھا۔ زبان و لسان کی
حقیقی تاریخ یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ معاشرت کی ترقی۔ ضروریات کے ہجوم
احتیاجات کے اضافہ۔ معاملات کی پیچیدگی۔ زندگی کی کشاکش وغیرہ کے زیر اثر

زبان صوتی دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی گئی۔ ذخائر الفاظ میں اضافہ ہوتا گیا۔ عادات بڑھتی گئیں۔ ادائے مطالب کے لئے عمدہ پیرایہ اور اظہار خیالات کے لئے اچھے اسلوب کی جانب ذہن انسانی رجوع ہوا۔ لیکن تقریری زبان میں اس حد تک ترقی تھی بھی رسم خط و طرز تحریر ہنوز پردہ خفا میں تھیں۔ خیالات ابھی جامہ تحریر میں آکر پابند سلاسل نہیں ہوئے تھے۔ دیوتاؤں کے بھجن۔ پیشوایان دین کی تعلیم۔ دانشمندوں کے اقوال۔ راجاؤں اور سورماؤں کے کارنامے عرصہ مدید تک محض زبانی طور پر ایک پشت سے دوسری پشت کے لوگوں تک منتقل ہوتے رہے۔ اس وقت صرف انسان کے سینے معلومات کے گنجینے ہوتے تھے۔ ابھی سفینے کا پتہ نہ تھا۔ جب عمران و آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوا اور مادر وطن میں اس کے نام فرزندوں کے لئے کافی جگہ و گنجائش باقی نہ رہی تو فاضل آبادی دوسرے ممالک میں ہجرت کرنے لگی۔ اس طرح مختلف قطعات ارض آباد ہوئے کے ملکوں کے درمیان ذرائع رسل و رسائل اور حمل و نقل کے فقدان کی وجہ سے باہمی تعلقات منقطع ہوگئے۔ مختلف مرز بوم کی آب و ہوا اور جغرافیائی حصائص زیر اثر مختلف قوموں کے عادات و خصائل۔ میلانات و رجحانات۔ ضروریات و خصوصیات اور رسم و رواج ایک دوسرے سے متغائر ہوگئے۔ اسی کے ساتھ ان کے لب و لہجہ۔ طرز ادا اسلوب بیان۔ ذخیرہ الفاظ۔ لغات وغیرہ میں بھی افتراق پیدا ہوتا گیا۔ چنانچہ مختلف ممالک میں مختلف زبانیں بولی جانے لگیں۔ لیکن ابھی تک انسانی آنکھ تحریر سے صورت آشنا نہ تھی۔

ہیروغلیف صوری اب ہم بتانا چاہتے ہیں کہ رسم تحریر کا خیال کس طرح پیدا ہوا اور شروع شروع لکھنے کا کیا طریقہ تھا۔ تحقیق قریبہ کی رو سے آرایش کا خیال زبان و تحریر بھی مقدم ہے۔ بہت سی وحشی قوموں کے افراد سخت جسمانی تکالیف اس غرض سے اٹھاتے ہیں کہ اپنے بدن کو گدوا کر خوبصورت بنائیں۔ وہ موسم کی سخت سے سخت گرمی سردی کی بھی

برداشت کر لیتے ہیں لیکن انہیں ... کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ جرمنی کے ایک مشہور فلسفی ... ہمبولٹ کا بیان ہے کہ اوری نوکو کے وحشی باشندے جسمانی راحت و آرام کی طرف سے تو بالکل غافل ہیں مگر دو دو ہفتہ تک اس غرض سے محنت مزدوری کرتے ہیں کہ اپنے بدن کو رنگنے کے واسطے رنگ خرید کر سکیں تاکہ ان کو رنگا ہوا دیکھکر لوگ واہ واہ کریں۔ وہی وحشی عورت جو اپنی جھونپڑی سے بالکل برہنہ باہر نکلنے میں کچھ پس و پیش نہیں کرتی اس کو اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ اپنے بدن کو بغیر رنگ لگائے باہر چلی جائے اور اس بدسلیقگی کی مرتکب ہو۔ بحری سیاحوں نے بھی معلوم کیا ہے کہ وحشی قومیں سوتی کپڑے اور ... ت کی نسبت رنگین مالاؤں انگوٹھی چھلے وغیرہ کو زیادہ عزیز رکھتی ہیں۔ الغرض عہد توحش کے انسان بھی زینت و آرائش کے دلدادہ تھے۔ جن جانوروں کا وہ شکار کرتے تھے یا جو چیزیں انہیں خوبصورت نظر آتی تھیں یا جن حیوانات کی وہ پرستش کرتے تھے ان کی تصویر ... نے کی کوشش کرتے تھے۔ پہلے یہ تصویریں بچوں کی بنائی ہوئی تصویروں کی طرح بھدی اور بھونڈی ہوتی تھیں لیکن رفتہ رفتہ ان ابتدائی فن کاروں کی مشق و مہارت بڑھتی گئی وہ ہڈی یا سینگ کے ٹکڑوں یا در و دیوار پر انسان اور جانوروں کی تصویریں کندہ کرکے ان سے اپنے رہنے کے غاروں یا جھونپڑوں کو آراستہ کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان تصویروں کی بڑی قدر ہونے لگی اور وہ بیش بہا خزانہ تصور کی جانے لگیں جب معاشرت نے ترقی کی۔ تہذیب و تمدن کئی قدم آگے بڑھا۔ اور لوگ خاندان اور قبیلوں پر منقسم ہو گئے تو خاندان یا قبیلہ کے سردار تصویر دار ہڈیوں اور سینگوں کو ایک دوسرے کے پاس بطور تحفہ و ہدیہ بھیجنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد یہ تصاویر بجائے تحفہ کے نامہ و پیام کے وسائل بن گئیں لیکن چونکہ ابھی تک ادائے مطلب کے لئے ان تصاویر کی تعین و تخصیص نہیں ہوئی تھی اس لئے اس طریق نامہ و پیام سے اکثر الجھنیں

سمجھنے میں غلط فہمیاں پیدا ہو جایا کرتی تھیں۔ مثلاً اگر کسی سردار نے دوسرے کو
تصویر کے ذریعہ سے ضیافت کی دعوت دی لیکن اس نے غلطی سے اُسے صلائے
مقابلہ یا مبارزت نامہ سمجھ لیا تو اس کا نتیجہ خطرناک جنگ اور جماعتی تصادم ہوتا تھا
الغرض غلط فہمیوں کے باعث نظام معاشرت میں اختلال واقع ہونے لگا۔ لہذا
عقلمندوں نے باہمی قرارداد کے مطابق خاص خاص جانوروں یا دیگر اشیا کی
تصویریں خاص خاص مطالب کے اظہار کے لئے معین کر دیں۔ اس تعیین و تخصیص کے بعد
غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گیا۔ اب ایک دوسرے کا مافی الضمیر بآسانی سمجھنے لگا۔ رفتہ
رفتہ تبادلہ خیالات اور اظہار مطلب کے لئے تصویروں کا استعمال عام ہو گیا۔
یہی تصویر نویسی رسم تحریر کا نقش اول تھی۔ جس طرح چھوٹے بچوں کی معلومات
صرف اشیائے مادی و محسوسات تک محدود ہوتی ہیں اور انہیں مجردات کا تصور
نہیں ہوتا اسی طرح تمدن کے ابتدائی دور میں انسان کا علم محض مادی اشیا
کے ساتھ وابستہ تھا مجرد خیالات ان کی ذہنی دسترس سے باہر تھے۔ تصویروں سے
صرف مادی اشیا کی نمائندگی ہوتی تھی۔ مثلاً آم بیل یا کوے کا خیال ان کی تصویر سے
ظاہر کیا جاتا تھا۔ لیکن جب ذہنی و اخلاقی ترقی کی وجہ سے خیالات و افکار لطیف اور
مجرد ہونے لگے تو ان کے اظہار کے لئے بھی خاص خاص تصویریں معین کر دی گئیں۔ مثلاً
عقاب کے پر کی تصویر صداقت اور سچائی کی اور زیتون کے شاخ کی تصویر صلح و امن کی
ترازو کی تصویر عدل و انصاف کی۔ سفید لباس کی تصویر معصومیت و بے گناہی کی مظہر
قرار پائی۔ تاریخ لسانی کا یہ دور عہد ہیروغلیفی صوری کہلاتا ہے۔ مصر و مکسیکو کے
حضرات نے تصویر نویسی کی بیشمار یادگاریں بہم پہنچائی ہیں۔ مصر میں جب بڑے بڑے
فراعنہ تخت نشین ہوئے اور ان کی قوت و شہرت کا ڈنکا تمام اکناف عالم میں بجنے لگا تو
انہیں صرف اس سے تشفی نہیں ہوئی کہ ان کے عظیم الشان کارنامے محض زبانی نسلاً

بعد از انتقال ... رہیں۔ انہیں خوف ہوا کہ کہیں ان کے ... ایسا نہ ہو کہ ان کے یادگار ... جنوں میں عرقاب نہ ہو جائیں یا ان کے دشمن ان کے ... کو مٹا نہ دیں۔ لہذا انہوں نے تصویر نویسی کے ذریعہ سے اپنے کارنامے پتھر، اینٹ، کھپریل، کتبے وغیرہ پر کندہ کرائے جو آج کل وہاں حفریات کی صورت میں برآمد ہو رہے ہیں۔ مصری ہیروغلیفی یادگاریں محض پتھر کی لاٹھوں ہی پر کندہ نہیں ملتیں بلکہ قدیم مندروں، محلوں اور مقابر کی دیواروں پر بھی جنہیں اب استداد زمانہ کے مخرب ہاتھوں نے زیر زمین مدفون کر دیا ہے رنگی ہوئی پائی جاتی ہیں۔ علاوہ بریں اہل مصر نے اپنے عروج کے زمانے میں ہیروغلیفی کتابیں بھی تیار کی تھیں جو کتان اور "پیپرس" پر لکھی ہوئی تھیں "پیپرس" ایک قسم کا پودا ہے جو قدیم مصر میں بکثرت اگتا تھا اور آج کل بھی حبش، سوریہ اور سسلی میں پایا جاتا ہے۔ اس کے ڈنٹھل مثلث نما اور قریب ایک انچ موٹے ہوتے ہیں۔ قدیم اہل مصر اس کے ڈنٹھلوں کو پتلے پتلے طویل ٹکڑوں میں تراش کر ایک دوسرے کے ساتھ گوند سے چپکا دیتے تھے اور دبا کر موجودہ کاغذ کی شکل کا بنا لیتے تھے کاغذ کی ایجاد کے قبل اہل مصر اپنی کتابیں پیپرس ہی پر لکھا کرتے تھے۔

ہیروغلیفی خطوطی بہر حال تصویروں کے ذریعہ اظہار مافی الضمیر کا طریقہ بیشمار دقتوں اور زحمتوں سے مملو تھا۔ ہر شخص تصویر کھینچنے پر قادر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس کے لئے مشق و مہارت کی بیحد ضرورت تھی۔ صرف فن کار ہی اس کو انجام دے سکتے تھے ان کو بھی چند معمولی باتوں کے اظہار کے لئے بہت سی پیچیدہ اور مشکل تصویریں کھینچنی پڑتی تھیں جس میں محنت اور وقت کا کثیر صرفہ درکار تھا۔ اس لئے لوگوں کی توجہ سہولت و اختصار کی جانب مائل ہوئی۔ بعض مہذب قوموں کے عقلا نے سوچنا شروع کیا کہ کم وقت میں اور آسانی کے ساتھ واقعات قلمبند کرنے اور خیالات کو جامہ تحریر میں لانے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ بالآخر ایرانی اور سامری قوموں کی قوت

اختراعیہ نے بمصداق "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" ایک نئی رسم خط ایجاد کی جسے تحریر پیکانی کے نام سے موسوم کرنا مناسب ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ آگے بیان ہوگی اب ادائے مطلب وتبادلہ خیالات کے لئے بجائے پیچیدہ تصاویر کے سہل اور آسان اشکال مخطط استعمال کئے جانے لگے۔ سامری قوم عراق میں آباد تھی جو میدانی ملک ہے اور جہاں کی زمین سنگلاخ نہ ہونے کے باعث پتھر بآسانی دستیاب نہیں ہوتا سامریوں نے بہت سے شاندار و بارونق شہر بسائے جہاں کی عالیشان عمارتیں پتھر کے بجائے اینٹ سے بنی ہوتی تھیں۔ احجار و صخور کی کمیابی کی وجہ سے سامریوں نے مٹی کی تختیوں اور استوانوں پر کتبات کندہ کرائے۔ لکھنے کا قاعدہ یہ تھا کہ گیلی مٹی کی تختیوں اور استوانوں پر کسی سخت نکیلے اوزار سے مخطط اشکال کھینچے جاتے تھے۔ جس کی [illegible]ت مٹی خط کے کناروں پر پھیل جاتی تھی اور نشانات تیر کے سرے جیسے معلوم ہوتے تھے۔ اسی بنا پر یہ طرز تحریر "پیکان نویسی" یا "تحریر پیکانی" کہلاتی تھی اشکال وخطوط کندہ کرنے کے بعد تختیاں اور استوانے دھوپ میں خشک کئے جاتے تھے اور پھر پزاوہ میں پکنے کے لئے ڈالدئے جاتے تھے۔ الغرض تصویر نویسی کا پیچیدہ اور وقت طلب طریقہ رفتہ رفتہ متروک ہوگیا۔ اب تحریری علامات باہمی قرارداد کے مطابق چڑیوں اور جانوروں کی پیچیدہ اور مشکل تصاویر کے بجائے سادہ اور آسان اشکال مخطط میں تحویل ہوگئے۔ سامریوں سے اہل بابل نے اور پھر ان سے اہل اسور نے پیکان نویسی سیکھی۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت ایتھنس کا پتہ بھی نہ تھا اور روما کی سات پہاڑیاں گھنے جنگلوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ لیکن اس وقت بابل اور نینوا کے شہرہ آفاق شہروں میں عظیم الشان کتب خانے قائم تھے جن کی الماریاں اور حجرے پکی اینٹ اور تختیوں پر لکھی ہوئی بیشمار کتابوں سے پُر تھے۔ بہرحال اس زمانہ میں خواندہ رجال کا قحط تھا پڑھنے والوں کی بڑی قلت تھی۔ اور لکھنا تو چند ہی لوگ جانتے تھے

کیونکہ اس وقت چھبیس یا چھتیس علامات پر مشتمل حروف تہجی کا نظام ایجاد نہیں ہوا تھا جن کی ترکیب سے کسی زبان کے لاتعداد الفاظ جامہ تحریر میں لائے جا سکتے ہیں بلکہ اس وقت ہر لفظ کے لئے ایک خاص علامت تھی اور اہل علم کو ہزاروں علامات یاد رکھنے پڑتے تھے۔

باقی آیندہ

پیمائش

نمبر ۵

یہ کہنا قول ہے کہ تحریر انسان کے خیالات کو درست کرتی ہے۔ اور ہندسہ ان کو اور زیادہ واضح اور صحیح کر دیتا ہے پس طلباء کو اس امر کا خوگر بنایا جائے کہ وہ ہندسوں کے ذریعہ ہر چیز کو سوچیں اور سمجھیں طلباء سے جب سوال کیا جاتا ہے کہ مدرسہ تمہارے مکان سے کتنی دور ہے تو وہ عموماً جواب دیتے ہیں کہ "بہت دور ہے یا نزدیک ہی ہے" اکثر اوقات طلباء وقت یا فاصلہ کے دریافت کرتے وقت اس قسم کے مبہم جوابات دیتے ہیں مدرس کا فرض ہے کہ وہ بچوں کی طبیعتوں میں یہ بات پیدا کرے کہ وہ اس قسم کے جوابات قیاس یا اندازہ کے ساتھ دیا کریں مثلاً کسی چیز کی لمبائی معلوم کرنی ہو تو اس کا جواب فٹوں یا انچوں میں ہونا چاہئے۔ اسی طرح فاصلہ کا جواب بھی گز، فرلانگ، یا میلوں میں ہونا چاہئے اس کے لئے سب سے پیشتر اکائیوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ فاصلہ انچ یا فٹ یا گز کی اکائیوں میں سوچنا پڑے گا۔ یا اس کا استعمال کرنا پڑے گا۔ اور اگر طلباء اس کو مشکل سمجھیں تو وہ اپنے اعضا مثلاً بالشت۔ ہاتھ۔ قدم وغیرہ کو بطور اکائی استعمال کر سکتے ہیں۔

ابتدا میں انہی اکائیوں کو استعمال کریں اور ان سے اندازہ کرائیں۔
چونکہ طلبار کے قد وقامت دن بدن بڑھتے رہتے ہیں اس لئے ان کو چاہئے کہ
وہ سال میں ایک مرتبہ اپنا قد، سینہ، قدم، ہاتھ اور بالشت وغیرہ کو ناپ لیا کریں
اور ان کو گز، فٹ اور انچوں سے مطابق کرائیں مثلاً لڑکوں کے قدم کا فاصلہ ۲۲ تا
۲۶ انچ ہوتا ہے۔

ف: ہر طالب علم کو چاہئے کہ اپنے قدم کا فاصلہ دریافت کرے اور اس کے ذریعے
مدرسے سے مکان تک فاصلہ معلوم کرے اسی طرح مدرسے کے مختلف حصوں کا فاصلہ۔ اس
عمل سے طلبار کو فاصلہ کا صحیح اندازہ ہوگا۔ اسی طرح وقت بھی معلوم ہو سکتا ہے
مثلاً ایک طالب علم پانچ منٹ میں پچاس قدم چلتا ہے۔ اور مدرسے سے مکان تک
... قدم کا فاصلہ ہے۔ تو اس کو مدرسہ سے مکان تک پہنچنے میں دس منٹ لگیں گے
جوں جوں طلبار کا قد بڑھتا جائے گا۔ قدم کی لمبائی میں بھی فرق ہوتا رہے گا
گو وقتاً فوقتاً ان کے قدموں کی پیمائش ہونی لازمی ہے۔ دوسرے سایہ کی لمبائی سے
وقت دریافت کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ اس کا ریکارڈ اس طرح رکھا جائے کہ
مثلاً دس قدم کا فاصلہ دیوار یا کاغذ پر درج کرنا ہے۔ تو ہر قدم کے لئے ایک کاغذ کا
ایک حصہ مقرر کریں یہی اس کی اکائی ہوگی۔ اور اس قسم کی دس اکائیوں کو کاغذ پر
درج کریں اس طرح دوسرے فاصلے بھی درج کریں۔

ف: اب مدرس طلبار سے اس قسم کے سوالات کرے کہ دس اکائیوں کے کتنے
قدم ہوئے۔ پانچ اکائیوں کا فاصلہ بتاؤ۔

مدرسے کے احاطہ پر بھی سوالات کئے جائیں مثلاً احاطہ کی ایک دیوار کتنی اکائیوں کی ہے
اور ایک اکائی اتنے فٹ ہے دیوار کی لمبائی کیا ہوئی۔ استاد خود سوچ کر اس قسم کے
دوسرے سوالات طلبار سے کرے۔

تبصرے

آداب شاعری

سلسلہ انجمن ارباب اردو کی ایک جدید کتاب "آداب شاعری" ہمارے ہم عصر نجمہ کے دفتر سے وصول ہوئی ہے۔ مولوی محمد محب اللہ قاضی صاحب عالی کی یہ تالیف ہے صاحب تالیف "گیارہ سال کی عمر سے اس فن شریف شعر گوئی کی طرف رجوع" رہے ہیں اور جیسا کہ خود فرماتے ہیں "اکثر اوقات اس فن کے اساتذہ سے جو جو علمی و ادبی معلومات حاصل ہوتے رہے ان میں سے اکثر اور اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے جن متفرق کتب سے اسماء و اعلام و الفاظ بہم ہوتے رہے ان میں سے بیشتر قلم بند کرتا رہا۔ مگر یہ گوہر غلطان بصورت پریشان یہ لئے اوراق غیر مرتب تھے" کہ ایک دفعہ عالی صاحب کے استاد نامی حضرت شیفتہ کنتوری نے ان یادداشتوں کو ملاحظہ فرمایا اور ان کو "مربوط و مسلسل" کرنے کی تاکید ہی نہیں فرمائی بلکہ بہت کچھ اپنے قیمتی معلومات سے زینت بخشی"

یہ کتاب اس قسم کی شاعری کے لئے جو اب تک اردو دان دنیا میں مقبول چلی آرہی ہے ایک کارآمد رہنما ہے۔ مولانا عالی نے اس مواد شاعری یعنے ان خیالات اور مضامین تمت جو ہمارے ہاں کی شاعری کے لئے زمانہ سلف سے معین اور مسلم چلے آئے ہیں الفاظ تشبیہات اور استعارات اور خدا جانے کیا کیا نہایت تفصیل سے جمع کر دیئے ہیں جہاں تک شاعری کے میکانی پہلو سے تعلق ہے یہ کتاب پرانی وضع کے سخن گو حضرات نہایت مفید ثابت ہوگی اور خصوصاً غزل کا کہہ لینا تو معمولی طبع موزوں کے لئے بہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہو جائے گا۔

مولانا عالی کا مطمح نظر اس کتاب میں محض یہی تھا کہ سامان شاعری کو اصحاب

طبع موزوں کی سہولت کی غرض سے یک جا کر دیا جائے اور اس حد تک مولانا نے اپنا کام نہایت محنت خوش اسلوبی اور سلیقہ سے ادا کیا ہے۔

مولانا نے مقدمہ میں نفس شاعری پر بھی نہایت سادہ لفظوں میں قیمتی خیالات کا اظہار فرمایا ہے جن سے افسوس ہے کہ ہم کو اتفاق نہیں۔ مثلاً مولانا فرماتے ہیں کہ نفس شاعری واقعہ نگاری ہے۔ اگر اس جا میں واقعہ نگاری کے وہی معنے لئے گئے ہیں جو عام طور پر سمجھے جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ شاعری کا بہت بڑا حصہ واقعہ نگاری سے اتنی ہی دور ہے جتنی دور ڈوبتے سورج سے جگر جگر کرتے بادلوں کے گالے سطح ارض کی بھونڈی اور گندی چیزوں سے ہوتے ہیں۔ علاوہ اس کے اگر مولانا کی اس تعریف کو مان لیا جائے تو خود وہ اردو شاعری جس کے لئے مولانا نے اس کتاب میں سامان فراہم کیا ہے شاعری کی تعریف سے گر جاتی ہے کیونکہ جہاں تک ہمارا خیال ہے ہمارے ہاں کی پرانی وضع کی شاعری پر جو بڑا اعتراض ہے وہ یہی ہے کہ اس میں واقعہ نگاری کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا۔ غرض نفس شاعری کے تحت مولانا نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں وہ اول تو بہت مختصر اور تشنہ ہیں اور دوسرے یہ کہ در اصل صحیح نہیں۔ اسی طرح مولانا نے یہ ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے کہ "ہندی عروض (پنگل) کے اوزان اردو کے لئے طبعی نہیں ہو سکتے"۔ اول تو جو دلائل نمبروار بیان کئے گئے ہیں ان سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ مولانا عالی نے پنگل کا گہرا مطالعہ نہیں کیا ہے دوسرے اردو کے لئے جس کی اصلی کاٹھی اور ساخت محض ہندی ہے یہ کہنا کہ پنگل 'طبعی' نہیں ایک ایسا منطقی استدلال ہے جس کی مدد سے ایک ہندوستانی مسلمان ہو کر اور کچھ عربی فارسی پڑھ کر اس بات کا دعویدار ہو سکتا ہے کہ میں عرب یا ایرانی ہوں۔ اور میری مادری زبان میرے لئے 'طبعی' نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ مولانا عالی اس بات کو تسلیم فرماتے ہوں کہ پنگل کی بحروں کی اردو شاعری کو ضرورت نہیں عربی عروض کی بہت سی بحریں ہندوستان میں آ کر ہندیا گئی ہیں

اور نامانوس معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے کسی معقول آدمی کو بحث نہیں ہو سکتی
کیونکہ آدمیوں کے مذاق اور عادتیں جدا جدا ہوتی ہیں لیکن اس اپنے خاص ذوق کی خاطر
فطری اصول کا خون کرنا کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔ اس دلچسپ بحث پر اس جگہ زیادہ
لکھنے کی گنجایش نہیں۔ البتہ اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اس تالیف کا اصلی مطمح نظر یہ نہیں تھا کہ
نفس شاعری اور تخیل پر نظر ڈالی جائے۔ اس کتاب سے صرف اُن ارباب کی
سہولت مدنظر ہے جو شاعری کو محض ایک میکانی ورزش دماغ تصور کرتے ہیں اور معینہ
اور مسلمہ مواد شاعری اور سامان شاعری سے علحدہ نہیں ہونا چاہتے۔ اور اس حد تک
جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں یہ کتاب کارآمد اور مفید ہے۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ
یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل اردو شاعری کو جس قسم کے رجحان کی ضرورت ہے یہ کتاب
اس کے مطابق نہیں۔ بڑی ضرورت ہے کہ اردو شاعروں کے تخیل کو معینہ مضامین
الفاظ اور بحور کی جکڑ بندیوں سے آزاد کیا جائے۔ انسانی ترقی کے معنے حریت
حاصل کرنا ہے اور سب سے پہلے دماغی حریت کا میسر آنا ضروری ہے۔ اس وقت ایسی
کتابوں کی ضرورت ہے جو شاعر کے اصلی جذبات اور خیالات کی بیڑیوں میں اور کڑیوں کا
اضافہ نہ کریں۔ بلکہ ہمارے شعرا کو جو محض قافیوں اور مقررہ تشبیہوں اور استعاروں کے
گڑیوں کی طرح کھیلتے ہیں کائنات کے لامتناہی سمندر کا تماشا دکھائے اور ان کو
اس ناپیداکنار سمندر میں سے اپنے برتنے پر اور اپنے خاص اسلوب کے مطابق موتی
نکال لانے پر ابھارے۔ مولانا حالی نے نہایت صداقت آمیز الفاظ میں جامعہ عثمانیہ کی
اہمیت کو تسلیم کیا ہے اور اس وقت ہم مولانا حالی اور اپنے قارئین محترم کو اسی جامعہ کے
ایک فارغ التحصیل کی ننھی سی کتاب "براؤننگ" کی جانب توجہ دلاتے ہیں۔

براؤننگ | ہر شخص دنیا میں مختلف صورت لیکر پیدا ہوتا ہے۔ اس کا چہرہ مہرہ رنگ
روپ ہاتھ پیر سج دھج الگکیٹ اور کینڈا دوسروں سے جداگانہ ہوتا ہے۔ اسی طرح

ہر شخص کا نفس ــــ اس کی حیات جذبات استدلالی رنگ ڈھنگ تجربات اور خیالات ۔ دوسرے ہم جنسوں سے ملتے جلتے نہیں ۔ ایک شاعر جس پہلو جس نقطۂ نظر سے اس کائنات یا اس کائنات کے کسی اہم یا غیر اہم جز کا مطالعہ کرتا ہے کوئی دوسرا شاعر عین میں اسی پہلو سے دنیا پر نظر نہیں ڈال سکتا ۔ ایسے زبردست شاعر وہی ہے جس کا نقطۂ نظر نرالا اور انوکھا ہو ــــ اور جس کو اپنے پیچھے ڈال دے اور نئے تخیلات اور خیالات کا ادب میں اضافہ کرے ۔ براؤننگ اسی قسم کا شاعر ہے اور انگریزی شعرا میں آپ ہر ایک کے ہاں ایک نئی دنیا ــــ نیا نقطۂ نظر پائیں گے ۔ مولوی سید وقار احمد صاحب نے اس ننھی سی کتاب میں ایک ایسے کام کی پہل کی ہے جس سے اردو داں دنیا کی آنکھیں کھل سکتی ہیں کہ ہمارے ہاں کی شاعری کو لھو کا چکر ہے جہاں ہر ... آنکھوں پہ اندھیری ڈالے بیل کی طرح پھرا کرتا ہے ۔ ہمیں امید بندھ چلی ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے فرزند اپنے رشحات قلم سے اردو داں دنیا کو انگلستان کے بلند رتبہ صحیح معنوں میں آزاد خیال شعرا سے روشناس کرائیں گے تاکہ اردو شاعری کولھو کے چکر سے نجات پائے اور خدا کی خدائی کی کھلے بندوں سیر کرے ۔ مدارس کے استادوں کے لئے ہماری رائے میں اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے ۔ مولوی وقار احمد صاحب نے پہلی دفعہ اپنی علمی امنگ میں ایک نہایت مشکل شاعر کا انتخاب کیا ہے جس کا مطالعہ محنت طلب ہو گا لیکن محنت اٹھانے کے بعد مطالب کی عمدگی خیالات کی بلندی اور صداقت محنت کا کافی صلہ ہو گی ۔

ملنے کا پتہ
(۱) آداب شاعری ۔ قیمت صہ ، دفتر رسالہ تحفہ حیدرآباد دکن
(۲) براوننگ ۔ قیمت ۸ دار و سید عبدالقادر تاجر کتب چار مینار حیدرآباد دکن

اور جو لوگ غور و فکر کوئی پیشہ اختیار کر لیتے ہیں وہ آیندہ چلکر کہیں کامیاب نہیں ہوتے

امریکہ کے ایک کروڑپتی نے اعلیٰ تعلیم کے لئے ہمارے ملک کے واسطے چھ وظیفہ مختص کئے ہیں چنانچہ اس سال علیاحضرت ہند نے چار ہونہار اشخاص کو یہ وظیفے دیکر امریکہ روانہ کر دیا ہے۔

سنہ ۱۹۲۴ء میں ہمالیہ کی چوٹی ایورسٹ پر چڑھنے کی کوشش کے صلہ میں کرنل ہارٹ کو انگلستان کی جیاگرافل سوسائٹی کی طرف سے تمغہ دیا گیا۔

تعلیمی ترقی کے دوش بدوش افزائش نسل میں انحطاط واقع ہوتا ہے۔ یورپ وامریکہ کے اعلیٰ طبقوں میں بہت کم اولاد ہوتی ہے اور ادنیٰ طبقوں میں مالی مشکلات کے باوجود کثرت سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ امریکہ کے ایک پروفیسر نے نہایت جستجو کے بعد یہ لکھا ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص دو یا زیادہ سے زیادہ تین بچوں سے زیادہ کی خواہش نہیں رکھتے۔

جامعہ عثمانیہ کے قیام سے طبقہ اناث میں اعلیٰ تعلیم کا شوق بڑھ رہا ہے۔ اس سال کے نتائج دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاتون نے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی ہے اور کئی میٹرک اور ایف۔ اے کامیاب ہوئی ہیں۔

حسب منشائے سرکار صدر محاسبی سے گشتی جاری ہوئی ہے کہ ۱۳۳۶ف میں کسی شخص کا منصب کی جائداد پر تقرر نہ ہو سکے گا جو میٹرک کامیاب نہ ہو۔

زیرہ ذودن میں فن جنگلات کی تعلیم کے لئے ایک نہایت عمدہ درس تعلیم ہو رہے
اس کی اعلیٰ سند یورپ و انگلستان کی سند کے مساوی تصور ہوگی

حکومت برطانیہ یہ کوشش کر رہی ہے کہ ہوائی جہاز کا چلانا ایسا عام ہو جائے
جیسے کہ موٹر چلانا ہو گیا ہے۔ انگلستان میں متعدد مقامات پر صرف عنقہ روپیہ کے
خرچ سے ہوائی جہاز چلانا سیکھ لیا جا سکتا ہے۔

باتباع گشتی دفتر صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلشن آباد میدک نشان (۴۵) مورخہ ۲۰ تیر ۱۳۳۵ ف
گرودت سنگھ صاحب ساکن چمن گوڑی گنڈرہ حیدرآباد بتقریب دورہ ... عیدات سی پیا
ملتھل تشریف لائے۔ اور ایک ہفتہ سے زائد قیام فرمایا۔ بتاریخ ۱۹ امرداد ۱۳۳۵ ف
میں ایک جلسہ قرار دیا گیا جس میں طلباء و اساتذہ کے علاوہ عہدہ داران مقامی و سرکاری ملازم
و خوش باش ملتھل شریک تھے۔ پروفیسر صاحب موصوف نے صنعت و حرفت کے فوائد پر
ایک بسیط لکچر دیا۔ اور گندھک کا گلاس اور بیاٹری تیار کرکے دکھلائی۔ اس عرصۂ قیام میں
طلباء و اساتذہ کو حسب ذیل تجربات کا مشاہدہ کرایا۔

(۱) الکٹرک بیاٹری بنانا۔ (۲) ڈرائی بیاٹری بنانا (۳) گندھک کا گلاس بنانا۔ (۴)
صابون بنانا۔ (۵) حسب ضرورت وخواہش شیشے توڑنا (۶) ٹوٹے ہوئے شیشے کا جوڑنا
(۷) جست کے پتروں کی تینیں ڈھالنا۔

صاحب موصوف نے مذکورہ بالا تجربات کو اس عمدگی سے بتایا کہ بعض طلباء
اور اساتذہ نے اس کو بخوبی سیکھ لیا۔

اعلیحضرت قدر قدرت حضور پر نور بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

کی ذاتی مشین پریس کو پیشگاہ حکیم السیاست سے بذریعہ فرمان مبارک

نواب اعظم جاہ بہادر ادام اللہ اقبالہ و اجلالہٗ

۵ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ شاہزادۂ ہر دلعزیز ولی عہد کے مبارک نام نامی

اعظم اسٹیم پریس سے موسوم کرنے کی اجازت عطا فرمائی گئی۔ ملک کی قدردانی اور کاروبار کی ترقی کے لحاظ سے ہر قسم کی جدید اصول پر لکھائی چھپائی رنگین و سادہ اور مصنفین کی سہولت و بہبود دفاتر سرکاری کے توقیتی اور اہم کاموں کے طباعت عمدہ و فوری انجام پانے کا خاص اہتمام رکھا گیا ہے

سررشتہ تعلیمات کی ہر جماعت کے متعلقہ جملہ اصلی کتب نصاب و خلاصہ جات و کتب نظامی اردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی۔ تلنگی۔ مرہٹی ڈرائنگ و تصاویر جو بچوں کی ابتدائی تعلیم اور ڈرائنگ کے عملیات کیلئے مفید کارآمد ہیں ڈرائنگ کاپیاں کمپاس و تصاویر نباتات جانور وغیرہ نقشہ جات دکن ہندوستان ایشیا یورپ افریقہ امریکہ بھی موجود ہیں واجبی قیمت پر تفصیلی فہرست کتب خانہ ہٰذا کی مفت طلب فرمائیے

المشتہر سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن

شمع کے پادشاہان اودھ اور ان کے مشہور امرا اعزا اور لکھنؤ کے مایہ ناز قدیم شعرا کی قلمی تصاویر بعہد خلیفہ و عہد جدید کی مصوری کے بہترین نمونے جو اب تک شائع نہیں ہوئے ہیں اور نہ کسی دوسری جگہ میسر آسکتے ہیں رسالہ شمع میں مسلسل شائع ہو رہے ہیں شمع تاریخی علمی ادبی اور سیاسی مضامین اور نیا نوں کا ہندوستان میں سب سے زیادہ حجم ۱۱۲ صفحات کا رسالہ ہے اور جنوری ۲۵ء سے محمد حبیب صاحب (آکسن) پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ اور جناب حسن عابد جعفری صاحب بیرسٹر آگرہ کی ادیٹری میں نہایت آب و تاب کیساتھ جاری ہے۔ تنقیدات و تبصرے قابل دید ہوتے ہیں لکھائی چھپائی نہایت دیدہ زیب کاغذ چکنا اور حجم سالانہ ۱۴۰۰ صفحات اور کم از کم ۳۰ تصاویر سالانہ چندہ صرف (۶ روپے) ممالک متوسط و برار و سرکار آصفیہ حیدرآباد نے شمع کو مدارس میں جاری فرمایا ہے۔ الہ آباد لکھنؤ ڈھاکہ پنجاب اور کلکتہ کی یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں اور اسکولوں میں خریدا جاتا ہے شمع کے اجرا کی صرف یہ وجہ ہے کہ اس سے کوئی ذاتی نفع مقصود نہیں ہے محض علمی اور ادبی خدمت کے شوق میں جاری کیا گیا ہے چندہ سالانہ ۶ روپے ماہوار حجم ۱۱۲ صفحے نمونہ ۸ آنے

نوٹ۔ نمونہ کا پرچہ کسی حالت میں بھی مفت روانہ نہیں ہوگا المشتہر

منیجر شمع۔ شاہ گنج آگرہ

بچوں کا قاعدہ

مرتبہ

سجاد مرزا ایم اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ

اقتباس از چند آرا

نواب سر امین جنگ بہادر صدر المہام پیشی — چھوٹے بچوں کی تعلیم کے واسطے کوئی مفید کتاب کی تالیف یا تصنیف سہل امر نہیں ہے انگلستان میں سربرآوردہ اساتذہ و ... اس کام کا بیڑا اٹھاتے ہیں دوسروں کی مجال نہیں ہے میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے ہمارے بچوں کے واسطے وہ ہی کام کیا جو آپ کے عہدہ کے شایاں ہے۔ کتاب کا پیرایہ بہت دلپذیر ہے۔ جیسا کہ بچوں کی توجہ اس پر مائل کرانے کے لئے لازم ہے۔

مسٹر پاسم راؤ بی۔ اے علیگ ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول گونڈھ — بچوں کا قاعدہ میں نے بغور دیکھا اور حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان میں اس سے زیادہ خوبصورت کتاب میری نظر سے نہیں گزری مفردات کی تعلیم بہت دلچسپ مفید ہے مرکبات کی تعلیم کا طریقہ بھی بہت دلچسپ ہے

اودھ اخبار لکھنؤ — نہایت لطیف اور خوبصورت کتاب مرتب کی ہے جس کی ... ہندو مسلمان لڑکے لڑکیوں کی تصویریں بنائی گئی ہیں کتاب ہذا میں بچوں کی دلچسپی کا پورا سامان مہیا کیا گیا ہے اور معلم اور طالب علم دونوں کی سہولت مدنظر رکھی گئی ہے یہ ہمارے صوبہ کی ٹکسٹ بک کمیٹی کے غور کی مستحق ہے جسے منظور کرنے کے بعد وہ ابتدائی تعلیم کے دیہی و شہری مدارس میں ... کے ساتھ ساتھ پڑھائے جانے کی سفارش کرے

یہ طرز جدید کا پہلا قاعدہ جس میں ریاست حیدرآباد دکن کے لئے اعلیحضرت خدا تعالی اور علاقہ انگریزی کیلئے ملک معظم جارج پنجم کی نہایت عمدہ تصویر درج ہے ہمارے بک ڈپو سے فی جلد ۴ر ملسکتا ہے۔ مدارس و تاجروں کو کمیشن دیا جاتا ہے۔

دی حیدرآباد بک ڈپو۔ توپ کا سانچہ حیدرآباد دکن

کا ج س ۶ ۲۱   ر ج ا ن گ ز ا ب ر ہ ۲۰۶

المعلم

جلد سوم | ماہ مہر ۱۳۳۵ف | نمبر ۲

مدیر .... محمد سجاد مرزا ایم اے (کنٹب)

شریک مدیر .... محمد عظمت اللہ خاں۔ بی اے

اعظم اسٹیم پریس چارمینار
حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوا کرے گا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (عہ) مع محصولڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ پانچ آنہ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہے گی

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	عہ	صہ ۸ر	ــے ۸ر
سہ بار	عسہ	للعہ	مہ ۸ر
ششماہ	للعہ	عسہ ۸ر	صہ
سالانہ	صعہ	للعہ	عسہ ۸ر

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ موسومہ شریک مدیر پتہ ذیل پر ہونی چاہئے۔

محمد عظمت اللہ خاں بی اے شریک مدیر

دفتر رسالہ المعلم بلگرامی ہوز سانچہ توپ

حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست اندراجات

المعلم

(۱)	اردو نوشت و خواند کی تعلیم	از جناب مولوی محمد حسین صاحب ایم اے بی ای ڈی (صدر مدرس فوقانیہ عثمان آباد)	۱ تا ۱۴
(۲)	طلبہ کے مشاغل اور انکا ریکارڈ	از جناب مسٹر منگلش راؤ بی اے بی ٹی (صدر مدرس تعلیم المعلمین اورنگ آباد)	۱۵ تا ۱۸
(۳)	ڈالٹن تجربہ خانہ والی تجویز	از مسٹر پرایچ پیدیم اے بی ایس سی (ترجمہ)	۱۹ تا ۲۳
(۴)	جواب تبصرہ (فوائد القواعد)	از جناب مولوی سید تفضل حسین صاحب ناشر (ناظر تعلیمات ضلع کریمنگر)	۲۴ تا ۲۹
(۵)	شذرات		۲۹ تا ۳۲

جلد ۳ | بابتہ ماہ مہر ۱۳۳۵ فصلی | نمبر ۲

مبتدیوں کی اردو نوشت و خواند

نمبر ۲

حروف تہجی کی ایجاد جب علوم و فنون نے ترقی کی۔ تہذیب و تمدن کی رفتار تیز ہوگئی ضروریات زندگی میں بے حد اضافہ ہوا۔ ہئیت اجتماعیہ کی تنظیم بہت پیچیدہ ہوگئی۔ تو حیات انسانی اور خارجی دنیا کے متعلق ذخیرہ معلومات اس قدر وسیع ہوگیا کہ تمام الفاظ کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ علامتیں مقرر کرنا اور کل علامتوں کو دماغی تجوری میں محفوظ رکھنا دوبھر ہوگیا۔ اس بڑھتی ہوئی دقت پر غالب آنے کی جانب پہلے پہل مصر کے مذہبی پیشواؤں کا ذہن رجوع ہوا۔ الفاظ اور فقروں کے لئے علامتیں مقرر کرنے کے علاوہ

انہوں نے مفرد آوازوں کے لئے بھی خاص خاص تصویریں معین کیں۔ قدیم طریقہ کے مطابق کسی تصویر سے کوئی خاص لفظ ظاہر کیا جاتا تھا جیسے دونوں ہاتھ بلند کئے ہوئے انسان کی تصویر سے لفظ "پرستش" مراد ہوتا تھا۔ لیکن اب تصویروں سے مفرد آوازوں کی تعبیر ہونے لگی۔ مثلاً عقاب کے پر کی تصویر سے آواز آ، پاؤں کی تصویر سے ب۔ الو کی تصویر سے مَ اور مرغی کے چوزہ سے یَ کی آواز ظاہر کی جانے لگی۔ تاہم مصری طرز تحریر مشکل تھی۔ فینیقیوں نے البتہ اس جانب بہت ترقی دکھائی جانور، درخت مکان اور دیگر اشیاء کے اظہار کے لئے جو پیچیدہ تصویریں استعمال کی جاتی تھیں ان کے بجائے وہ سادہ مخطط اشکال کام میں لانے لگے۔ پھر انہوں نے ان اشکال میں سے حسب ضرورت چند علامتوں کو منتخب کر لیا اور ان سے اشیا یا الفاظ کے بجائے مفرد اصوات مراد لینے لگے اور ان اصواتی علامتوں کے مجموعہ سے الفاظ ترکیب دینے لگے الغرض ہر صوت کے لئے ایک خاص علامت مقرر کی گئی۔ لیکن علامت کے نام اور صوت میں کوئی مطابقت نہ تھی بلکہ علامت کا وہی نام ہوتا تھا جو زمانہ ہرغلیفی میں اسے دیا گیا ہے مظہرہ کا تھا۔ مثلاً الف کے معنی مرد مجرد کے ہیں۔ انسان چونکہ دو پاؤں سیدھا کھڑا ہو سکتا ہے اس لئے ایک سیدھی کھڑی لکیر سے انسان مراد دینے لگے اب فینیقی اس علامت سے اَ کی آواز تعبیر کرنے لگے لیکن اس کا نام الف یا الفا ہی رہنے دیا کیونکہ پہلے اس علامت یعنی کھڑی لکیر سے الفا یا مرد مجرد مراد ہوتا تھا اسی طرح بیت یا گھر کی تصویر نے مختصر ہو کر پڑی لکیر کی شکل اختیار کر لی تھی اور گھر کا دربان مختصر ہو کر نقطہ بن گیا تھا اب بیت کی اس علامت سے ب کی آواز ظاہر کی جانے لگی لیکن علامت کا نام بیت ہی رکھا گیا جو فنیقی سے عبرانی اور عبرانی سے عربی میں منتقل ہونے کے اثناء میں بیت سے بے ہو گیا۔ وقس علیٰ ہذا۔ الغرض حروف تہجی کا آغاز اسی طرح ہوا۔ اگرچہ موجودہ مختلف زبانوں کے حروف مختلف الاشکال ہیں لیکن ان تمام کے ارتقائی اصول وہی ہیں

جو اوپر بیان ہوے۔ اگرچہ عام خیال یہی ہے کہ فنیقیوں نے حروف تہجی ایجاد کئے لیکن فی الحقیقت وہ اس معنی میں موجد نہیں ہیں کہ وہ انہیں کتم عدم سے معرض وجود میں لائے یا کسی بالکل نامعلوم شے کو دریافت کیا بلکہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ تھا کہ قدیم مصور مخطط طرز تحریر کو ترقی دیکر اسے نظام حروف تہجی کی شکل میں لائے بہر حال فنیقیوں سے یہودیوں نے یہ طرز تحریر سیکھی اور عبرانی زبان کی تمام کتابیں اور حضرت موسیٰ کے احکام عشرہ حروف تہجی کے ذریعہ سے لکھے گئے۔ عبرانی سے نظام حروف تہجی عربی میں منتقل ہوا عربوں کا جب ایران پر مذہبی و سیاسی استیلا حاصل ہوا تو مغلوب زبان کو اپنا دامن کشادہ کرنا پڑا اور دیگر خصوصیات کے ساتھ ساتھ اسے فاتح زبان کا نظام حروف تہجی بھی قبول کرنا پڑا پھر جب فارسی بحیثیت فاتح ہندوستان میں داخل ہوئی تو زبان اردو میں جو کئی زبانوں کے اختلاط سے پیدا ہوئی تھی اپنا نظام تہجی داخل کیا۔

یورپ میں بھی نظام حروف تہجی فنیقیوں ہی سے لیا گیا۔ پہلے یونانیوں نے حروف تہجی فنیقیوں سے لئے اور ان میں حروف علت کا اضافہ کیا۔ یونانیوں سے رومیوں نے سیکھا۔ قرون وسطیٰ میں لاطینی اساطین مسیحیت کی زبان تھی۔ چونکہ تعلیم و تدریس پیشوایان دین کے تفویض تھی اس لئے یورپ کے تمام ممالک مثلاً فرانس۔ جرمنی۔ انگلستان ہسپانیہ وغیرہ میں مسیحی پادریوں نے رومی یا لاطینی حروف تہجی کی اشاعت کی چنانچہ یہی حروف تہجی آج کل تمام یورپی زبانوں میں مستعمل ہیں۔

ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ ممالک مشرقیہ بعیدہ میں نظام حروف تہجی بالکل صوتی اصول پر قائم کیا گیا۔ وہاں حروف کے نام اصوات کے مطابق رکھے گئے مثلاً عربی زبان میں جس حرف سے ک کی آواز پیدا ہوتی ہے اس کا نام کاف ہے لیکن سنسکرت حرف کا نام بھی آواز کی مناسبت سے ک ہی ہے۔ اگرچہ یونانی۔ لاطینی۔ سنسکرت۔ فارسی زبانیں نسل کے اعتبار سے آریائی اور مصری۔ سریانی۔ عبرانی اور عربی وغیرہ سامی النسل ہیں اور ایک نسل کی تمام زبانوں میں بہ لحاظ ترکیب الفاظ۔ خصائص نحوی۔ طرز ادائے مطلب

اسلوب بیان بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے لیکن چونکہ نظام حروف تہجی اور رسم خط بعد کی چیزیں ہیں اور اس وقت نمودار ہوئیں جب کہ ایک نسل کے مختلف اقوام مرکزی وطن کو خیرباد کہکر مختلف اقطاع عالم میں جا بسے تھے۔ اس لئے ان کے حروف تہجی میں مماثلت نہیں پائی جاتی۔ عربی و یونانی زبانیں باوجود مختلف النسل ہونے کے حروف تہجی میں بہت کچھ مشابہت رکھتی ہیں۔ لیکن یونانی و سنسکرت باوجود متحد النسل ہونے کے نظام حروف تہجی کے اعتبار سے بالکل مختلف ہیں۔ یونانی حروف کے نام ہر علیفی ہیں لیکن سنسکرت کے حروف کے نام بالکل صوتی ہیں۔

اردو کی پیدائش واضح رہے کہ دنیا کی تمام قدیم و جدید زبانیں تین اقسام کے تحت لائی جاسکتی ہیں (۱) مذہبی (۲) حربی (۳) بزمی۔ مذہبی زبانوں کے حلقہ میں وہ تمام زبانیں داخل ہیں جن کا تعلق قدیم تہذیب و تمدن سے ہے۔ ان کی تمام تر حیثیت مذہبی تھی زمانہ قدیم میں مذہب نے زندگی کے ہر شعبہ کو بال بال جکڑ رکھا تھا۔ سیاست و حکومت صلح و جنگ۔ تجارت و زراعت رسم و رواج۔ شادی و غمی غرض کہ کوئی شعبہ مذہبی تصرف سے آزاد نہ تھا۔ لہذا زبان کی حیثیت بھی بالکل مذہبی تھی۔ جب تک مذہبی تعلیم کا زور شور قائم رہا یہ مذہبی زبانیں بھی عروج پر رہیں۔ جب مذہب کمزور یا دوسرے مذہب سے مغلوب ہوا تو یہ زبانیں بھی گمنام اور فنا ہونے لگیں۔ سریانی۔ عبرانی۔ قدیم یونانی۔ قدیم مصری۔ قدیم فارسی سنسکرت عربی زبانیں اسی تحت میں آتی ہیں۔ اوّل الذکر پانچ زبانوں کے پشت پناہ مذاہب کے فنا ہوجانے سے یہ زبانیں بھی گمنام ہوگئیں۔ چونکہ ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتابیں سنسکرت زبان میں ہیں۔ اس لئے باوجود متروک ہونے کے ابھی تک سنسکرت زبان فنا نہیں ہوئی ہے اگر مذہب کو اس زبان سے تعلق نہ ہوتا تو باوجود اپنے تمام علمی و فنی ذخائر کے یہ زبان کب کی معدوم ہوگئی ہوتی۔ اسلام کے قرون اولی میں زبان عربی کو مذہبی و حربی دونوں اقتدارات حاصل تھے لیکن اب کئی صدیوں سے اس زبان کو شاہان باجبروت کا سایہ عاطفت

نصیب نہیں ہے اور نہ اس کو درباری زبان ہونے کی عزت حاصل ہے۔ اس وقت عربی کو
جو کچھ قدر و منزلت نصیب ہے وہ محض اس کی مذہبی نوعیت کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ مذہب
اسلام کی متبرک زبان نہ ہوتی۔ اگر کلام الٰہی جو دنیا کی چالیس کروڑ آبادی کے لئے اپنے مشعل ہدایت ہے
اس مقدس زبان میں نازل نہوا ہوتا تو یہ زبان بھی علوم و فنون کا مخزن ہونے کے
باوجود کبھی کی رخصت ہوگئی ہوتی۔

دوسری قسم حربی زبانوں کی ہے جن سے زیادہ تر سیاسی ضروریات ملکی انتظامات
اور تجارتی کاروبار کا کام انجام پاتا ہے۔ ان زبانوں کو مذہب سے اگر کچھ تعلق ہے تو وہ
محض ضمنی حیثیت سے ہے کیونکہ آج کل قومیت کی تعیین کے مختلف لوازمات میں سے مذہب بھی
ایک جزو ہے۔ السنہ حربیہ کی بنیاد رومتہ الکبریٰ کے ہیجان عسکریت۔ اور استیلائے بری
و بحری سے پڑی۔ لیکن آج کل انگریزی۔ فرانسیسی۔ روسی۔ اطالوی۔ ترکی اور جاپانی زبانیں
السنہ حربیہ کی بہترین مثالیں ہیں۔ ان زبانوں کا ستارہ اقبال شاہی زبان ہونے کے
باعث عروج پر ہے۔ ان کے سرپرست موجود اور ان زبانوں میں ہر طرح علمی خزانے
بھرنے میں سرگرم ہیں۔ السنہ حربیہ اپنی سیاسی طاقت اور حربی استیلا کے باعث دوسری
زبانوں پر برتری و تفوق حاصل کر لیتی ہیں۔ ایک وقت عربی زبان مذہبی اقتدار کے ساتھ
ساتھ حربی و سیاسی طاقت کی بھی سرمایہ دار تھی۔ جب دو قوموں کا تصادم ہوتا ہے
اور ایک قوم دوسرے پر غالب آتی ہے تو مفتوح قوم کے افراد غالب قوم کے خیالات
و افکار۔ جذبات و احساسات۔ وضع قطع۔ رسم و رواج۔ لباس و پوشاک مذہب و ملت
اور تہذیب و معاشرت کی تقلید کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح فتح مند قوم نہ صرف سیاسی
حیثیت سے بلکہ مذہبی معاشرتی اور روائتی اعتبار سے بھی محکوم قوم پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے
یہاں تک کہ ان کی زبانوں پر بھی اثر و تاثر کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔ اگر دونوں زبانوں میں
اتحاد لسانی کے لوازمات موجود نہ ہوں تو زبان مفتوحہ کی ہیئت فاتح زبان کی ہیئت میں

مدغم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب ایران پر عربوں کو مذہبی و سیاسی برتری حاصل ہوئی تو عربی زبان کل حاکمانہ اقتدارات، و فاتحانہ ضروریات اپنے ساتھ لائی۔ فارسی کو مفتوح زبان ہونے کی حیثیت سے اپنا دامن جبراً کشادہ کرنا اور طوعاً و کرہاً عربی الفاظ قبول کرنا پڑا۔ چونکہ اتحاد لسانی کے لوازم مثلاً مخارج کی ہم آہنگی۔ اسلوب بیان کی یکسانی۔ ترکیب نحوی کی یکجہتی۔ رسم خط کی یک رنگی وغیرہ موجود تھی اس لئے فارسی پر عربیت کا رنگ چڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ایرانی ہیئت لسانی بالکل عربی ہیئت میں مدغم ہو گئی۔ حروف تہجی۔ نظام ہجائی۔ رسم خط طرز تحریر وغیرہ تو قریب قریب وہی ہو گئیں جو عربی کی ہیں البتہ چند حروف مثلاً پ چ ژ گ وغیرہ کا اضافہ ہو گیا کیونکہ عربی زبان ان آوازوں سے معرا ہے۔ اس جدید فارسی کو قدیم فارسی سے کوئی مشابہت باقی نہ رہی۔ جدید فارسی ایک اسلامی زبان ہے جو عربی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔

تیسری قسم میں بزمی زبانیں داخل ہیں۔ جب مختلف زبان بولنے والی قوموں کا باہمی تصادم ہوتا ہے تو معاشری ضرورتوں کو پورا کرنے۔ آپس میں لین دین جاری رکھنے اور باہمی تبادلہ افکار کے لئے ایسے ذرائع اظہار کی ضرورت پیش آتی ہے جن کو سب سمجھ سکیں۔ اس باہمی اختلاط سے نئی زبانیں معرض وجود میں آتی ہیں جنہیں بزمی زبان کہتے ہیں۔ بزمی زبانوں کی پیدائش دوسرے الفاظ میں یوں سمجھائی جا سکتی ہے کہ سیاسی دنیا میں جب مختلف قومیں نبرد آزما ہوتی ہیں تو بعض کو فتح اور بعض کو شکست نصیب ہوتی ہے۔ اور بعض چھوٹی قومیں جو پہلے کسی بڑی حکومت کی دست پرور تھیں پھر آزادی تسلیم کرا لیتی ہیں اور اس طرح چند نئی حکومتیں قائم ہو جاتی ہیں۔ اس کی بہترین مثال گزشتہ جنگ عظیم کے واقعات ہیں۔ اس محاربہ عظیم میں دنیا کی مختلف قومیں برسرپیکار تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض قوموں مثلاً انگریز اور فرانسیسیوں کو فتح و شکست حاصل ہوئی۔ جرمنی اور اس کے حلیفوں کو نیچا دیکھنا پڑا۔ اور بعض چھوٹی چھوٹی

نئی حکومتیں جیسے ماربلیگو - زیکوسلیو - اور پولینڈ وغیرہ کی سلطنتیں قائم ہو گئیں اسی طرح جب کئی زبانوں کا باہمی تصادم ہوتا ہے تو بعض زبانوں کو غلبہ و استیلا حاصل ہوتا ہے بعضوں پر انحطاط و جمود کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور چند نئی زبانیں معرض وجود میں آجاتی ہیں۔ گویا حربی زبانوں کے باہمی تصادم و ہیجان سے بڑی زبانیں بطور حاصل کے نمودار ہوتی ہیں۔ اول اول وہ پرکاہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ وہ محض معاشری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بولی جاتی ہیں اور ان کا دامن گوہر علم سے خالی ہوتا ہے۔ مگر بمرور زمانہ وہ رفتہ رفتہ اپنی مستقل حیثیت قائم کر لیتی ہیں اور بالآخر ان کا شمار علمی زبانوں میں ہونے لگتا ہے۔ اردو اسی قسم کی ایک بڑی زبان ہے جو شاہان اسلام تیمور شعار کے ہندوستان پر حملوں کے دوران میں حربی جل جلاو اور عسکری ہیجان کے نتیجہ میں مختلف زبانوں مثلاً عربی - فارسی - ترکی - پراکرت - برج بھاشا وغیرہ کے اختلاط سے پیدا ہوئی اور ہندوستان اس کا وطن اور مولد قرار پایا۔

عربی زبان کو جب فارسی پر استیلا حاصل ہوا تو لوازم اتحاد لسانی کے باعث فارسی کی ہئیت بالکل عربی میں مدغم ہو گئی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ لیکن یہی عربی آمیز فارسی جب بحیثیت فاتح ہندوستان میں داخل ہوئی تو اس کو ایک ایسی زبان سے دوچار ہونا پڑا جہاں لوازم اتحاد لسانی یکسر مفقود تھے۔ یعنی برج بھاشا بہ لحاظ حروف تہجی بھی نظام ہجائی - ترکیب الفاظ - خصائص نحوی - رسم خط - مخارج اصوات - طرز تحریر اسلوب بیان - محاورات و امثال بالکل جداگانہ ہئیت رکھتی تھی۔ الغرض فارسی اور ہندی کے درمیان حد درجہ مغائرت اور اجنبیت تھی۔ لہذا جس طرح فارسی عربی کے سامنے سپر انگن ہو گئی تھی اس طرح ہندی نے فارسی کے آگے ہتھیار نہیں ڈالا بلکہ اگر فارسی نے اپنے حاکمانہ اقتدار اور حربی استیلا سے ہندی کو مغلوب کرنا چاہا تو ہندی نے اپنی قدامت کثرت اور معاشری قوت سے مزاحمت پیش کی۔ اس مقاومت و مقابلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ

برج بھاشا نے اپنی آزادانہ ہئیت قائم رکھی اور فارسی میں مدغم نہ ہوئی۔ البتہ دونوں کے باہمی اختلاط سے ایک نئی زبان اردو پیدا ہو گئی۔ اگر فارسی کا علمی۔ ادبی۔ درباری اور شاہی اقتدار عرصہ دراز تک قائم رہتا تو ممکن تھا کہ وہ برج بھاشا پر حاکمانہ جبر ڈالکر اسے سپر انداز ہونے پر مجبور کرتی اور مقاومت و مزاحمت رفتہ رفتہ مفقود ہو جاتی لیکن بدقسمتی سے فارسی کا دفتری اقتدار اٹھ گیا اور انگریزی حکومت کے قیام نے فارسی کے اثر و نفوذ کو زائل کر دیا۔

اردو کی خصوصیات (۱) تعداد و اصوات حروف۔ اگرچہ اردو کی زمین ہندی ہے جس پر فارسی اور عربی کے بیل بوٹے بنائے گئے ہیں اور اگرچہ اردو کے الفاظ اور محاورات قواعد زیادہ تر ہندی سے ماخوذ ہیں تاہم فارسی کے حاکمانہ اقتدار کی وجہ سے اردو کی ہئیت فارسی سانچے میں ڈھل گئی۔ چنانچہ اردو زبان کے حروف تہجی۔ نظام ہجائی۔ رسم خط۔ طرز تحریر اعراب و حرکات اور الفاظ کی ترکیب و اضافت وغیرہ فارسی طریق پر مبنی ہیں۔ واضح رہے کہ عربی میں ۲۸ فارسی میں ۳۲۔ ناگری یا ہندی میں ۴۴۔ اور اردو میں ۳۶ حروف ہیں۔ اگر یائے مجہول کو الگ ایک مفرد حرف قرار دیا جائے تو تعداد ۳۷ ہو جاتی ہے۔ دو چشمی ہا۔ نون غنہ۔ ہائے مخلوط اور یائے ماقبل مفتوح ان کے علاوہ ہیں۔ اردو چونکہ عربی۔ فارسی۔ ہندی وغیرہ کے اختلاط سے پیدا ہوئی ہے اس لئے وہ ان تمام زبانوں سے زیادہ یعنی ۵۵ آوازوں کی مالک ہے۔ ہندی میں جتنے اصوات ہیں اتنے ہی حروف بھی ہیں لیکن اردو میں حروف صرف ۳۶۔ اور اصوات ۵۵ ہیں۔ یہ فاضل آوازیں زیادہ تر ہندی الاصل ہیں تحریر میں ان کا اظہار حروف تہجی کے قریب المخرج حروف میں ہائے مخلوط ملا کر کیا جاتا ہے مثلاً بھ دھ۔ کھ وغیرہ۔ اصوات و مخارج کے اعتبار سے اردو جامع اور مکمل زبان ہے۔ عربی فارسی ہندی۔ انگریزی وغیرہ زبانیں بہت قسم کی آوازوں کو ادا کرنے سے قاصر ہیں جو تنگ دامانی کا ثبوت ہے۔ لیکن دنیا کی تمام زندہ زبانوں میں سے کوئی آواز ایسی نہیں ملے گی جو اردو میں بہم نہ پہنچ سکے۔ اکثر زبانوں میں یہ نقص ہے کہ بعض مفرد آواز دو حروف کی ترکیب سے

ظاہر کی جاتی ہے۔ ... میں چ اور ش کی آواز سی ایچ اور ایس ایچ کی ترکیب سے علی الترتیب ... ہوتے ہیں۔ لیکن اردو کا ذخیرہ اصوات اس عیب سے پاک ہے۔ علاوہ بریں انگریزی میں بعض حروف دو یا زدہ قسم کی آواز پیدا کرتے ہیں جیسے سی سے کبھی س اور کبھی ک کی۔ جی سے کبھی ج اور کبھی گ کی۔ ایس سے بھی کبھی س کبھی ز کی آوازیں ہوتی ہیں۔ لیکن اردو کے حروف اس قسم کی آوازوں کی اصوات سے بری ہیں۔ انگریزی مخارج یا سہولت تلفظ کے لئے اکثر حروف ساکت کر دئے جاتے ہیں جس سے نظام ہجائی میں دشواری پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اردو میں سوائے واو معدولہ۔ ہائے مختفی کے وہ بھی بہ لحاظ فصاحت نہ بہ وجہ تشنگی ساکت حروف کی مثالیں نایاب ہیں۔ اگرچہ ہندی وسنسکرت کی طرح اسمائے حروف اور ان کے اصوات میں کامل یکسانی نہیں پائی جاتی تاہم ان میں کچھ نہ کچھ لگاؤ ضرور محسوس ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے انگریزی کے بعض حروف کے نام اور ان کی آوازمیں کچھ بھی مناسبت نہیں ہے مثلاً انگریزی حروف ایچ۔ سی۔ جی۔ ڈبلیو۔ ایکس۔ وائی سے علی الترتیب ہ۔ ک۔ گ۔ و۔ ز اور ی کی آوازیں نکلتی ہیں۔ اس اختلاف اور غیر فطری تسمیہ حروف کے باعث نظام ہجائی میں حیرانی اور الجھاؤ پیدا ہوتا ہے۔ بسا اوقات انگریزی میں حروف کا استعمال بالکل مہمل اور بے تکا سا ہوتا ہے۔ آٹھ یا نو حروف کے مجموعہ سے ایک ایسا سادہ لفظ بنایا جاتا ہے جس کی آواز کے لئے تین چار حروف کافی تھے مثلاً این۔ ای۔ آئی جی۔ ایچ۔ بی۔ او۔ یو۔ آر کے مجموعہ سے لفظ "نیبر" بنتا ہے۔ ایک معمولی لفظ کی تسخیر کے لئے اس قدر حروفی توپ و تفنگ کا مظاہرہ کتنا مضحکہ خیز ہے۔ اردو کا دامن ان فضولیات کے بار کا متحمل نہیں۔

اکثر زبانیں اور خصوصاً السنہ آریائی مخارج کی برکت سے محروم ہیں۔ لہذا میدان اصوات میں ان کی عاجزی ولاچاری قابل ترس ہے۔ لیکن مخارج کی نعمت سے

اردو کے دائرہ تصویت کو بے انتہا وسعت اور فراخی حاصل ہے۔ خارجی سے ناواقف کوتہ بیں اردو پر یہ اعتراض عاید کرتے ہیں کہ بہ باعث اشتمال اصوات اردو املا و ہجائی میں طرح طرح کے خلل واقع ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو ت اور ط۔ ذ۔ ز۔ اور ظ۔ ث س اور ص وغیرہ متحد الصوت نظر آتے ہیں لیکن ایک ماہر مخارج جو ان حروف کے فروق صوتی سے بخوبی واقف ہے۔ ان حروف کو موجب اختلال ہونے کے بجائے وسعت لسانی کے لئے بیحد مفید پاتا ہے۔ ان بظاہر متحد الصوت حروف کی موجودگی ترقی میں بڑی مدد پہنچاتی ہے۔ اگر کم سواد معترضین کی تجویز کے مطابق نظام حروف ہجی سے بعض بظاہر زاید انفاظ کو نکال دیا جائے تو زبان اردو کے ذخیرۂ انفاظ میں نمایاں کمی واقع ہوگی اور دائرہ لغات تنگ و محدود ہوجائے گا۔ جو وسعت لسانی کے بالکل منافی ہے۔

(۲) رسم خط۔ مندرجہ بالا بحث ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتی کہ بہ لحاظ تعداد حروف و تکملہ اصوات اردو ایک مکمل زبان ہے۔ اصوات کی بحث کے بعد اردو کی رسم خط بھی ملاحظہ طلب ہے۔ اردو حروف کے اشکال مستقیم۔ مدور۔ شبہ مدور یا انہیں سے مرکب خطوطی حرکات سے پیدا ہوتے ہیں۔ حرکت مستقیم کا نتیجہ ا ب پ ت ف ک وغیرہ ہیں حرکت مدور سے بننے والے حروف ج ح ق ن وغیرہ ہیں۔ شبہ مدور حروف کی مثالیں د ذ ر ز وغیرہ ہیں۔ ط ظ ل م غ ص وغیرہ حرکات مرکب کی مثالیں ہیں انگریزی یا چند دیگر زبانوں کی طرح اردو کے حروف نہ زیادہ پیچیدہ اور زحمت طلب نہیں ہیں۔ البتہ ایک دو حروف مثلاً ژ ی وغیرہ خطوط منحنی سے بنتے ہیں لیکن یہ انحنا بھی سادہ اور سہل ہے۔ اگر حروف لکھانے کے قبل بچوں سے مستقیم۔ مدور شبہ مدور لکیریں کھینچنے کی مشق کرائی جائے تو اردو حروف کا لکھنا بچوں کے لئے بہت سہل اور آسان ہوجائے گا۔ اردو کی ایک بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اس کے حروف نہایت سادے غیر پیچیدہ اور سہل النقش ہوتے ہیں۔ بوقت تحریر قلم کو بہت کم چکر کاٹنے پڑتے ہیں کاتب کو زیادہ زحمت اٹھانی نہیں ہوتی۔ انگریزی یا چند

زبان سریہ۔ یا جن کے حروف پیچیدہ ار نحنی خطوط کی ترکیب سے بنتے ہیں متعلم کو متعدد حلرہ ثنا پڑتا ہے۔ انگلستان کے جزیرائی موقع ہی نے انگریزی قوم کے طبائع میں اس قدر بحری خصوصیات پیدا کر دی ہیں کہ زبان انگریزی کی تحریر بھی سمندری موجوں کے اتار چڑھاؤ کے مشابہ ہوتی ہے۔ انگریزی لکھنے میں قلم کو دائیں بائیں۔ اوپر نیچے۔ بمشرق مغرب غرض کہ ہر سمت جنبش دینی پڑتی ہے۔ اس قسم کی طرز تحریر میں جہاز رانی کا لطف تو آئے جہاں پہاں قطب نما کی سوئی پر نظر جمائے ہوئے جہاز کو مختلف سمتوں میں متحرک کرتا ہے لیکن اس میں اردو کی طرح سہولت روانی۔ خوش خطی اور خوش نمائی نہیں پیدا ہو سکتی بعض زبانوں کی تحریر ایسے غریب الاشکال حروف سے مرکب ہوتی ہے کہ وہ کسی نقاش کی نہایت جانفشانی سے تیار کئے ہوئے بیل بوٹے کے مشابہ ہوتی ہے اس قسم کی تحریر خوشنما اور خوبصورت تو ضرور ہوتی ہے لیکن وہ پیچیدہ اور زحمت طلب ہونے کے علاوہ متانت اور سنجیدگی سے بھی معرا ہوتی ہے۔ ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ انگریزی میں چار قسم کے حروف ہوتے ہیں جو حروف طباعت میں مستعمل ہیں وہ کتابت میں نہیں۔ اور پھر ان کی دو قسمیں ہیں بڑے حروف اور چھوٹے۔ اتنے اقسام کے حروف اور پھر چھوٹے بڑے حروف کی جائے استعمال سیکھنا بچوں کے لئے کس قدر مشکل ہے۔ لیکن اردو تحریر ان فضولیات سے پاک ہے۔ یہاں طباعت اور کتابت دونوں میں ایک ہی قسم کے حروف استعمال کئے جاتے ہیں۔ کتابوں میں جس قسم کے نقوش نظر آتے ہیں وہی لڑکوں کو لکھنا بھی پڑتے ہیں۔

(۳) طرز تحریر۔ اردو کی ایک بڑی خصوصیت جو اسے مغربی زبانوں نیز ہندوستان کے دیگر السنہ سے متاثر کرتی ہے وہ اس کی اتصالی طرز تحریر ہے انگریزی ہندی۔ سنسکرت وغیرہ میں افتراقی طرز تحریر رائج ہے۔ ان زبانوں میں پورے پورے حروف کو بغیر کسی قسم کی قطع و برید کے یکجا کر دینے سے الفاظ بنجاتے ہیں۔ تحریر کا یہ طریقہ بہت سہل ہے۔ لڑکے بہ آسانی حروف شناخت کر لیتے ہیں اور جلد پڑھنا لکھنا سیکھ لیتے ہیں

بخلاف اس کے اردو میں اتصالی طرز تحریر کا رواج ہے۔ یہاں الفاظ سے میں ہر صرف اجزا باہم ملائے جاتے ہیں۔ ہر حرف کا سرا لے لیا جاتا ہے لیکن بعض حروف اتصال درمیان میں منقطع کر دیتے ہیں مثلاً د۔ ذ۔ ر وغیرہ ان کے صرف آخیر کا بڑا حصہ جزو اتصال ہوا کرتا ہے۔ چونکہ یہ طرز تحریر دقت طلب ہے۔ ایک جز کو دیکھکر پورے حروف کی شناخت بچوں کے لئے دشوار ہے اس لئے بعض حضرات کی تجویز ہے کہ اردو میں ... رائج کی جائے مثلاً اگر لفظ "مُنقطع" لکھنا ہو تو اس کو اس طرح لکھا جائے "م ن ق ط ع" لیکن یہ تجویز جس قدر عجیب اور انوکھی ہے اسی قدر مہمل اور لغو بھی ہے۔ واضح رہے اب اردو کی ہئیت مستقل و معین ہو چکی ہے۔ طرز تحریر کو بدلنا گویا اس کی ہئیت و قومیت کو بدلنا ہے۔ دنیا کی کوئی خود دار زبان ایک دو نقص کی وجہ سے اگر فی الحقیقت ان کا شمار نقائص میں ہو بھی اپنی ہئیت کذائی بدلنا گوارا نہیں کر سکتی۔ علاوہ بریں اتصالی طرز تحریر کے ساتھ اس قدر فوائد وابستہ ہیں کہ ان کے مقابلہ میں ایک دو نقائص کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اتصالی طرز تحریر میں جو خوشنمائی۔ خوبصورتی۔ دلپذیری اور رعنائی ہے وہ افتراقی طرز تحریر کو کہاں نصیب۔ جمالیاتی نقطۂ نگاہ سے صرف ایک ہی وصف کا پایا جانا اتصالی طرز تحریر کو برقرار رکھنے کی کافی وجہ ہو سکتا ہے۔ لیکن زینت و زیبائش سے قطع نظر اتصالی طرز تحریر میں اختصار۔ حفظ وقت۔ روانی اور عجلت کے جو اعلیٰ اور مفید اوصاف موجود ہیں وہ افتراقی طرز تحریر کو ہرگز میسر نہیں۔ انگریزی طریقہ تحریر نہایت سست رفتار ہے۔ چند جملے لکھنے میں بہت وقت صرف ہوتا ہے۔ انگریزی تحریر جگہ بھی بہت گھیرتی ہے۔ اس لئے انگریزی کتابیں بالعموم نہایت باریک اور مہین حروف میں لکھی ہوتی ہیں جن کو پڑھتے ہوئے آنکھوں پر غیر معمولی بار پڑتا ہے۔ بصارت کمزور ہو جاتی ہے۔ انگریزی جامعہ کا شاید ہی کوئی طیلسان ایسا ملے جس کی آنکھوں پر عینک نہ چڑھی ہو۔ لسان الملک اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا　　　پانی بھرنا پڑا ہے پائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے　　　شاہ ایڈورڈ کی دہائی ہے

مغربی اقوام کو اپنی طویل اور زحمت طلب افتراقی طرز تحریر سے عاجز آکر مختصر نویسی کے لئے الگ علامتیں قائم اور اس کے لئے ایک علیحدہ فن ایجاد کرنا پڑا۔ لیکن اردو طرز تحریر بذات خود نامحدود اختصار کا پہلو رکھتی ہے۔ کسی مقرر کی تقریر انگریزی میں قلم بند کرنے کے لئے ایک ہوشیار مختصر نویس کی ضرورت پیش آئے گی کیونکہ تیز سے تیز انگریزی کاتب بھی عام مروجہ طرز تحریر کے ذریعہ اس کام کو انجام نہیں دے سکتا۔ اس کے برعکس اردو کا تیز نویس کاتب فن مختصر نویسی سے ناواقف ہونے کے باوجود ہر قسم کی تقریر قلم بند کرنے پر قادر ہو سکتا ہے ایک اور ملاحظہ طلب امر یہ ہے کہ جب افتراقی تحریر بھی تیزی کے ساتھ لکھی جاتی ہے تو اس میں اتصالی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے شکستہ انگریزی تحریر میں بھی اس قدر اتصالی شان آجاتی ہے کہ حروف الگ الگ تمیز ہی نہیں آسکتے۔ بلکہ عبارت صرف انداز سے پڑھ لی جاتی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اتصالی طرز تحریر فطرت کے مطابق ہے اور افتراقی طریقہ تحریر خلاف فطرت ہے اس لئے اس کی پابندی دشوار ہے۔ اس کے علاوہ اردو تحریر کی زینت شوشوں اور نقطوں سے اور بڑھ جاتی ہے شوشوں کی حسب ضرورت موٹائی و باریکی۔ ان کا اوتار چڑھاؤ۔ اپنے متعلقہ نقطوں سے ان کی تزئین۔ بعض حروف کی مرکزوں اور کہنیوں سے آراستگی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو اردو تحریر کو چار چاند لگا دیتی ہیں الغرض اتصالی طرز تحریر کے محاسن و مناقب اس قدر بلند پایہ ہیں کہ اگر ابتداً بچوں کو تھوڑی بہت دقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑے تو وہ قابل درگذر ہے۔ واضح رہے کہ اتصالی طرز تحریر اردو کی ہیئت لسانی کا لازمہ ہے۔ تھوڑی سی ابتدائی دقت کی بنا پر اردو جو ایک خود دار اور متصف بہ ہمہ اوصاف زبان ہے اپنی ہیئت تحریر کو زائل نہیں کر سکتی۔

(۴) اعراب و حرکات۔ اردو کی چوتھی خصوصیت اس کے اعراب و حرکات سے

متعلق ہے۔ انگریزی میں اعراب مفقود ہیں اور ان کا کام حروف علت سے لیا جاتا ہے
لیکن اردو میں حروف علت کے علاوہ اعراب و حرکات بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ بعض
انگریزی خیال حضرات مغرب کی کورانہ تقلید کے زیر اثر اردو زبان سے اعراب نکال دینا
چاہتے ہیں۔ اور بجائے اعراب کے انگریزی کی طرح صرف حروف علت سے کام لینا چاہتے ہیں۔
ان کا خیال ہے کہ نظام حروف تہجی میں چند حروف علت کا حسب ضرورت اضافہ کر دیا جائے
لیکن یہ تجویز معترضین کی کم سوادی ظاہر کرتی ہے۔ اگر اعراب و حرکات سے بخوبی کام چل سکتا ہے
تو حروف تہجی میں اضافہ سے کیا فائدہ۔ اگرچہ اردو میں اعراب لکھے نہیں جاتے تاہم بعض اوقات
بغیر اعراب کے لفظوں کے معنی مطلوب کے بالکل متضاد ہو جائیں گے۔ مثلاً اِدھر اُدھر پڑنا
جڑنا۔ حب۔ حُب وغیرہ ایسے الفاظ ہیں کہ اگر ان میں اعراب نہ ہوں تو محرر کا منشا معلوم کرنے میں
دقت پیش آئے گی۔ علاوہ بریں اعراب زبان عربی کی ہیئت لسانی کے اہم عناصر ہیں جب تک
اردو زبان میں فصاحت و بلاغت کی غرض سے عربی الفاظ کا استعمال ہوتا رہے گا اس وقت تک
اعراب و حرکات سے مفر نہیں۔ اردو چونکہ مختلف السنہ کی خمیر سے پیدا ہوئی ہے اس لئے اس میں
ان تمام زبانوں کی کسی نہ کسی حد تک نمایندگی ہونی چاہیئے۔ اردو نے اگر فارسی سے اضافت
لی ہے تو ہندی سے محاورات۔ عربی سے فصاحت و بلاغت تو انگریزی سے علامات اوقاف
اعراب و حرکات کی وجہ سے عربی کی بخوبی نمایندگی ہوگی۔ واضح رہے کہ انگریزی کی طرح
اردو میں بھی اب وقفہ۔ نیم وقفہ۔ واوین۔ استعجابیہ۔ استفہامیہ و دیگر علامات اوقاف کا
استعمال ہونے لگا ہے۔ اردو کی قوت جذب و اخذ اس کی فراخ دامنی کا ثبوت ہے اس نے
مختلف زبانوں کے اچھے اوصاف اخذ کئے ہیں۔ جس طرح ایک جمہوری حکومت میں تکملہ جمہوریت
کے لئے ہر طبقہ کی نمایندگی ضروری ہے اسی طرح اردو جیسی جمہوری زبان میں مختلف السنہ کی
نیابت مناسب ہے۔ الغرض اگر اعراب و حرکات نکال دئے جائیں تو دیگر لسانی نقائص کے
علاوہ ایک خرابی یہ ہوگی کہ عربی کی کافی نمایندگی نہ ہوگی اور یہ اردو کی شان جمہوریت پر بدنما

مصر اردو اپنی ہئیت لسانی کے لحاظ سے ایک جامع اور ہمہ گیر زبان ہے اردو کی خصوصیات شرح وبسط کے ساتھ اوپر بیان کردی گئی ہیں اور ہر جگہ انگریزی سے مقابلہ کرکے دونوں زبانوں کے فرق ظاہر کردیے گئے ہیں تاکہ وہ حضرات جو یورپ کی کورانہ تقلید کے دلدادہ ہوتے ہیں ذرا غور و تامل سے کام لیں۔ یہ لحاظ ماہیت و نوعیت۔ حروف تہجی و نظام اجماعی الخط طرز تحریر۔ اصوات و تلفظ۔ لب و لہجہ وغیرہ اردو اور انگریزی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہذا انگریزی زبان کی تعلیم کے لئے جو طریقے انگریزی ماہرین فن نے تجویز کئے ہیں یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ اردو کی تعلیم میں بھی مفید ثابت ہوں۔ بہر حال اس کا مفصل بیان آگے کیا جائیگا

(باقی آئندہ)

طلبا کے مشاغل اور ان کا رکارڈ

سبق نمبر ۶

گزشتہ صفحات میں (سایہ کی سبق میں) طلبا کو سایہ کی تصویر کے بارہ میں کچھ معلومات دیئے گئے ہیں۔ تصویر کا شوق بچوں میں فطرتی ہوتا ہے۔ اگر طلبا کو موقع اور سامان مل جائے تو تصویرکشی ان کے لئے دلچسپ مشغلہ ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر مشاہدہ غلط ہوگا۔ تو تصویر بھی غلط ہوگی۔

ف ۲ تصویر کھینچنے کے لئے۔ دیوار (جس کی تیاری کا سامان آگے آئے گا) بہت ہی موزوں ہے۔ مگر دیہاتی مدارس میں اس کی تیاری مشکل ہے۔ لیکن اسے ہر مدرس کو جاننا چاہئے اس قسم کا بورڈ اگر ہر مدرسہ میں ہو۔ تو طلبا کو مشغول رکھنا بہت آسان ہے استاد کو چاہئے کہ طلبا کو نقشہ کھینچنے میں مدد دے اور اس کا ایک ریکارڈ رکھے

ف ۳ موسمی پھلوں کی ایک فہرست تیار کرکے ان کی تصاویر طلبا سے کھنچوائی جائیں

مدرسہ کے احاطہ میں جس قدر درخت اور پودے وغیرہ ہوں … ایک فہرست
مع شکل اور خصوصیات کے تیار کی جائے اور طلبا سے مشاہدہ کرایا جائے … مشاہدہ
کے لئے زمین یا لکڑی کے گملے میں بیج بویا جائے۔ اس مقصد کے لئے ارنڈی یا
دال کا بیج بہت موزوں ہے۔ ہفتہ میں ایک یا دو مرتبہ اس کو نکال کر اس کی نشو ونما کا
فرق بتایا جائے۔ اور اس کا ریکارڈ اس طرح پر تیار کیا جائے۔ دیکھو تصویر۔

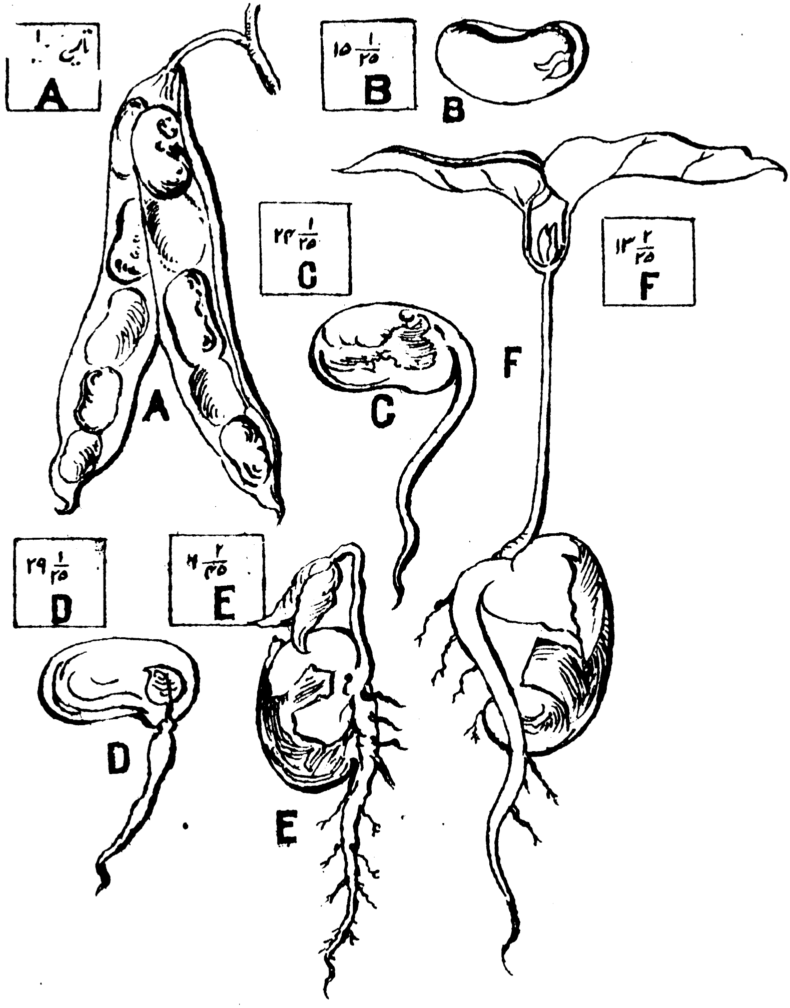

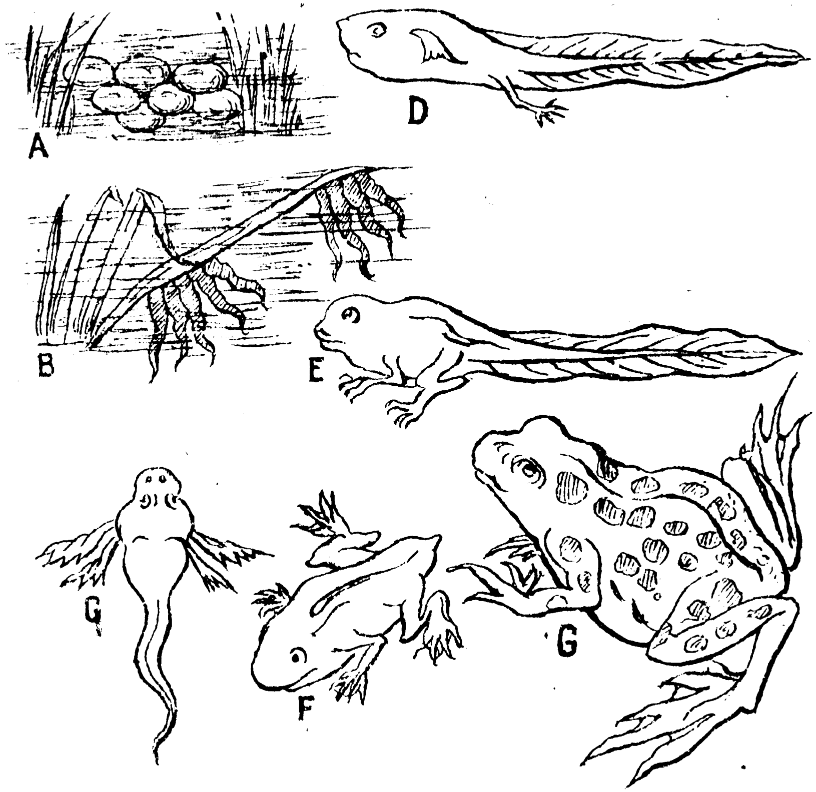

مینڈک کے انڈے کسی تالاب یا جوہڑ سے تلاش . . . .
کرکے کسی کانچ کے برتن میں پانی کے اندر رکھے جائیں۔ اور ان میں جو تدریجی تبدیلیاں ہوتی ہیں
ان کا مشاہدہ بچوں سے ہفتہ وار یا ہفتہ میں دو مرتبہ کرایا جائے۔ اور بچوں کے ریکارڈ کے
اندر اس کا بھی ریکارڈ رکھا جائے۔

۳ اشکال بالا کے نمونے مٹی سے بھی تیار کرا سکتے ہیں۔ جس کے لئے مٹی خاص طور پر
تیار کرنا پڑے گی۔ اس کا نسخہ کسی کمہار کے پاس سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ مدرسہ میں
مالی گنجایش ہو تو پلاسٹو سین منگایا جائے۔

یہ مسالہ بہت ہی ارزاں اور اس کام کے لئے بہت ہی موزوں ہے اگرچہ چیزیں

میسر نہ آسکیں تو کم از کم ان کے نام سے ضرور واقف ہونا چاہیئے۔

(۳) اس کے علاوہ بچوں کا ایک اور مشغلہ کاغذ پر پتے چپکانا ہے۔ اس مفید مشغلہ کے لئے برسات کا موسم زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس موسم میں پھول پتے وغیرہ تروتازہ ہوتے ہیں اور ان کا اصلی رنگ روپ زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ چپکانے کے لئے ہمیشہ تازہ پھول پتے لئے جائیں۔ اور صاف جاذب پر ان کو اس طرح رکھا جائے کہ ان میں شکن نہ پڑے اور ایک دوسرے سے چمٹ نہ جائیں۔ ان کی شکل وصورت بھی صاف نظر آنی چاہیئے۔ جاذب کے ٹکڑے کو کسی تختی یا کتاب پر رکھا جائے۔ اس پر پھول پتے پھیلا دئے جائیں پھر اس کے اوپر اتنا ہی بڑا جاذب کا ٹکڑا رکھکر کتاب یا کوئی نرم چیز رکھدی جائے۔ اور اس کو کسی وزن سے دبا دیا جائے۔ تاکہ جاذب پتوں وغیرہ کا پانی چوس لے۔ ایک دو ہفتہ بعد جب ان پھول پتوں کو نکال کر دیکھا جائے گا۔ تو وہ بالکل ہلکے اور پتے کاغذ کے پھول معلوم ہوں گے ان پھول پتوں کو بہت احتیاط سے ایک عمدہ موٹے سفید کاغذ پر صاف گوند سے چپکا دیا جائے۔ اس میں یہ خوبی ہوگی کہ وہ بالکل تصویر کے مانند نظر آئیں گے صرف اصلی رنگ میں کچھ فرق واقع ہوگا اس مقصد کے لئے وہ پتے زیادہ موزوں ہوں گے جن کا رنگ خشک ہونے کے بعد تبدیل نہیں ہوتا۔ مثلاً گھاس اور اس کے پھول پتے چپکانے میں یہ امر ملحوظ رہے کہ وہ جس حالت اور شکل میں درخت پر ہیں اسی طرح چپکایا جائے اس میں کسی قسم کا رد و بدل نہ کیا جائے۔ اس قسم کے مشغلوں سے طلباء کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ پھول اور پتوں کی قدرتی شکل وصورت اور رنگ روپ سے زیادہ واقف ہو جائیں گے اس پر یہ اعتراض ممکن ہے کہ یہ جغرافیہ میں شامل نہیں ہے۔ مگر جدید جغرافیہ کا مقصد زمین اور انسان کے باہمی تعلقات کو ترقی دینا ہے۔ پس مدرسہ کے احاطہ میں جس قدر اشیا ہوں ان سے طلباء کو ضرور واقف ہونا چاہیئے۔

ڈالٹنی تجربہ خانہ والی تجویز

از مسٹر پرانج پے۔ ایم۔ اے۔ بی۔ یس۔ سی

"دُور بین کے الٹے سرے سے ہم چیزوں کا معاینہ کر رہے ہیں۔ مدرسہ کی اصلاح میں سب سے اہم مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کیا سکھایا جائے اور جو کچھ سکھانا ہے اسے کس طرح پیش کیا جائے۔ ہمیں ضرورت ایسے استادوں کی ہے جن کے انوکھے طریقے ہر طالب علم کی ذاتی ضرورتوں کے لئے کافی ہوں۔ اور طلبا کو طریقہ اور نظام تعلیمی کے جوے سے نجات دیں اور ایسی صورت پیدا کر دیں کہ وہ اپنی عقل سلیم سے کام لینے کے عادی ہو جائیں"

مس پارک ہرسٹ

ڈالٹن امریکہ کا ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اس میں ایک مدرسہ کی استانی مس پارک ہرسٹ اس مشہور و معروف تعلیمی تجربہ کی بانی ہیں جو ڈالٹنی تجربہ خانہ والی تجویز (ڈالٹن لیبرے ٹوری پلان) کے نام سے موسوم ہے۔ انہوں نے دس اور بارہ کے درمیانی عمر والے بچوں پر اس طریقہ کی آزمائش کی اور جب ان کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس طریقہ میں بہت سی خوبیاں ہیں تو انہوں نے ڈالٹن ہائی اسکول کے صدر (پرنسپل) سے سفارش کی کہ یہ طریقہ عام طور پر اختیار کیا جائے۔" پرنسپل" نے اس مس پارک ہرسٹ کی تجویز کو بغور دیکھا اور محسوس کیا کہ اس تجویز کے رائج کرنے کے بعد مدرسہ کی تنظیم ایسے اصول کی بنیاد پر ٹک جائے گی جس سے مدرسہ کے تعلیمی نصابوں کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو جائے گا۔ پرنسپل نے مدرسہ کے ارباب حل و عقد سے اس بات کی اجازت حاصل کی کہ مدرسہ کے اوقات کے کچھ حصہ میں اس تجویز کے مطابق کام کیا جائے۔ مدرسہ میں کئی جلسے اس غرض سے منعقد کئے گئے کہ اس تجویز کو لڑکوں اور والدین کو سمجھایا جائے۔ انجام کار یہ ہوا کہ اس قدامت پسند قصبہ (ڈالٹن) کے

لوگ اس پر نیم رضامند سے ہوگئے کہ پرنسپل کی اس معاملہ میں معاونت کی جائے لیکن وہ صاف طور پر بدگمان سے تھے"۔ یہ سنہ ۱۹۲۰ء کا ذکر ہے۔ ڈال ٹن ہائی اسکول اور بعد بچوں کے یونی ورسٹی اسکول میں جو اسی غرض و غایت سے قائم کیا گیا تھا کہ مس پارک ہرسٹ کی نگرانی میں اس تجویز کے مطابق کام کی نمائش کی جائے ایسے نتائج رونما ہوئے کہ بہت ہی امید افزا تھے اور ان کی وجہ سے مس پارک ہرسٹ بھی ثانوی فروبیل یا مانٹی سوری کی طرح ایک مجدد تسلیم کی جانے لگیں۔

ہندوستان میں ثانوی (سکنڈری) تعلیم کی ترقی میں بے گنتی رکاوٹیں حائل ہیں مثلاً ایک تو یہ کہ غیر زبان ذریعہ تعلیم ہے اور دوسرے یہ کہ ہمارے ہاں ایک ہی مدرسہ میں سماجی حیثیت سے نہایت ترقی یافتہ اور نہایت پست طبقوں کے طلبا ملے جلے ہوتے ہیں جن صورتوں میں کہ یہ باتیں نہیں ہیں وہاں اور قسم کی دقتیں درپیش ہیں جو کسی طرح ان متذکرۂ صدر رکاوٹوں سے کم نہیں۔

الف تختہ اوقات میں نام کو لوچ نہیں ہوتا اور شاگرد مجبور ہوتے ہیں کہ حسب تختۂ اوقات مضمون مقررہ کے وقت حاضری دیں خواہ وہ اس مضمون کے لئے تیار ہوں یا نہ ہوں۔ انگریزی کا سبق ۱۱ بجے شروع ہوتا ہے اور پونے بارہ پر ریاضیات کے استاد جماعت میں تشریف لے آتے ہیں۔ چند طلبا تو ایسے ضرور ہوتے ہیں جو انگریزی کے سبق سے اکتا گئے تھے اور وہ اس تبدیلی سے خوش ہو جاتے ہیں جن طلبا کو انگریزی سبق سے دلچسپی ہوگئی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ انگریزی کا سبق اور تھوڑی دیر جاری رہے وہ اس اچانک تبدیلی سے متاثر ہوجاتے ہیں۔ ہر جماعت کو اس قسم کی اچانک تبدیلیاں دن میں پانچ مرتبہ سہنی پڑتی ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس سے ذہنی نشوونما اگر پوری طرح نہ رکے تو بھی نشوونما کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔

(ب) ممکنہ احتیاط کے باوجود یہ ضروری ہے کہ ہر جماعت میں ایسے طلبا رہوں جن کی

تیاری اور قابلیت کم و بیش ہوتی ہے۔ زید ایک لڑکا ہے وہ لغت میں سے الفاظ کے معنے نکال سکتا ہے کوئی مسئلہ اس کے سامنے پیش ہو تو اس پر توجہ جما سکتا ہے اپنے سبق گھر میں یاد کرتا ہے اور اس کو استاد کی تفہیم کی کم ضرورت ہے۔ عمر ذہین ہے لیکن ایک ہفتہ غیر حاضر رہا ہے۔ اس کی غیر حاضری میں جو سبق ہو چکے ہیں ان کو اسے پورا کرنا ہے اور پھر اسے جماعت کے ساتھ ساتھ بھی چلنا ہے۔ بکر ذرا کند ذہن ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ اسے ہر مرحلہ میں مدد دی جائے۔

(ج) جماعتی تدریس میں طلباء کو "بھرایا" جاتا ہے۔ گیارہ سے پانچ تک ہر مرحلہ پر یہی ہوتا ہے کہ شاگرد استاد کی انگلی پکڑ کر چلتے ہیں نہیں شاگرد مجبور کئے جاتے ہیں کہ وہ استاد کی انگلی کے سہارے چلیں خواہ وہ اس طرح چلنا چاہیں یا نہیں۔ جماعت کے بعض طلباء کو اس طرح کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے اور جماعت واری تدریس کا ضابطہ اس کا متقاضی ہوتا ہے کہ سبھوں کو ایک ہی لاٹھی ہانکا جائے۔

(د) یہ بھی اکثر ہوتا ہے کہ جماعت میں ایک آدھ لڑکا بلحاظ استعداد طبیعی خود استاد سے ورژ ہوتا ہے۔ اس کو اگر کتب خانہ اور آلات سائنس سے حسب مرضی کام لینے کی اجازت ہو تو وہ غالباً استاد سے بھی اونچا اڑے۔ چونکہ اسے استاد کے گھٹیا ذہن کا پابند ہونا پڑتا ہے اسے اڑنے کے بجائے زمین پر ہی رینگنا پڑتا ہے۔

(ھ) مدرسہ ۵ بجے برخواست ہوتا ہے۔ شاگرد تھک جاتے ہیں۔ کام سے نہیں بلکہ "بھرائے" سے وہ کھیل کے میدان کو شوق سے دوڑتے ہوئے جاتے ہیں اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتے ہیں یا کسی پبلک جلسہ میں شریک ہوتے ہیں۔ تازہ دم ہو کر انہیں گھریلو مشقیں لکھنی ہوتی ہیں۔ ایسی صورتوں میں بھی کہ انہیں گھریلو کام کرنا نہ ہو اور ان کا وقت علاوہ مدرسہ کے کام کے کسی اور کام میں بھی صرف ہو سکے مشکل یہ آن پڑتی ہے کہ لڑکوں کے پاس حوالہ کی کتابیں اور سائنس کے آلات نہیں ہوتے۔ یا اگر کسی خوش قسمت کو یہ چیزیں

میسر بھی ہوں تو اس وقت کوئی ایسا شخص پاس نہیں ہوتا کہ کہیں رکاوٹ آن پڑے تو مشکل کو آسان کر سکے۔

ڈالٹن تجربہ خانی والی تجویز ان تمام اسقام کو دور کرنے کی مدعی ہے۔ اس تجویز کی رو سے جماعتی تدریس باقی نہیں رہے گی یا اگر رہے گی بھی تو برائے نام رشائع یہ کہ جماعت بندی اسی طرح ہوگی جیسی کہ اب ہوا کرتی ہے لیکن ایک درجہ کے لڑکے ایک ساتھ اسی درجہ میں بیٹھکر جیسا کہ آج کل ہوتا ہے ایک ہی استاد کے تعلیمی الوان نعمت سے ذلہ ربائی نہیں کریں گے۔ اس تجویز کے مطابق مدرسہ میں بڑے بڑے کمرے ہوں گے جو تجربہ خانے کھلائیں گے یہ کمرے ہر مضمون کے لئے جدا جدا ہوں گے اور ہر مضمون کے ضروری سازوسامان سے آراستہ ہوں گے۔ زبان انگریزی کا تجربہ خانہ لیجئے۔ اس میں طرح طرح کی لغت اور حوالے کی کتابیں انمٹ مصنفوں کے انتخابات اور ان کی پوری تصنیفات اور مشاہیر اہل قلم کی تصویریں وغیرہ ہوں گی۔ تاریخی تجربہ خانہ میں الماریوں میں تاریخ کی کتابیں ہوں گی خاکے اطلس نقشے اصلی تاریخی دستاویزیں تاریخی تصویریں وغیرہ ہوں گی مختلف درجوں کے لڑکے جو انگریزی پڑھنی چاہیں وہ انگریزی اور جو تاریخ پڑھنی چاہیں وہ تاریخی تجربہ خانے میں اکٹھے ہوں گے۔ ہر تجربہ خانہ کا صدر ایک ایسا استاد ہوگا جو متعلقہ مضمون کا ماہر ہو لیکن یہ استاد ایک الگ کونے میں بیٹھا رہے گا اور صرف انہیں کی مدد اور رہبری کرے گا جو اس سے امداد کے طالب ہوں۔ لڑکوں کو اختیار ہوگا کہ وہ ایک تجربہ خانے سے اکتا جائیں تو دوسرے میں کام کے لئے چلے جائیں۔ اگر لڑکے چاہیں تو ایک تجربہ خانہ میں تین گھنٹہ بیٹھکر کام کریں یا آدھ آدھ گھنٹہ کے بعد ایک تجربہ خانہ سے دوسرے میں چلے جائیں — ہر لڑکے سے ایک معاہدہ ہوگا کہ وہ ایک مہینے میں اتنے سبق ختم کر دے۔ اس کو ہدایتیں پہلے سے دیدی جائیں گی اور مشورہ دیا جائے گا کہ فلاں فلاں کتابیں پڑھے۔ ایک مربع دار کاغذ پر ہر شاگرد اپنی ہفتہ وار ترقی کو دکھلائے اور

اگر ترقی کی رفتار دھیمی ہو تو ملامت اور نرمی سے اسے توجہ دلائی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ زیادہ کام انجام دے۔ لیکن طالب علم کو اختیار ہے کہ وہ اس مشورہ پر کار بند ہو یا نہ ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے پندرواڑے میں اپنے ذمہ کا کام ختم کر دے اور بقیہ پندرہ دن آرام سے جس کا وہ یقیناً مستحق ہو جاتا ہے۔ یا طالب علم یہ کر سکتا ہے کہ اپنی موعودہ مدت کا ابتدائی حصہ کاہلی و جودی میں گذارے اور آخری وقت اپنے کام پر پل کر اسے تمام کر دے شاگرد یہ کرے کہ روزانہ تھوڑا تھوڑا کام کرے اس کی رفتار دھیمی ہو لیکن کام پختہ ہو۔ طالب علم اس تجویز کے مطابق صرف ایک ہی دباؤ ہوگا وہ یہ کہ جب تک وہ اپنے پہلے معاہدہ کو پورا نہ کرے اور جو سوالات اس سے ختم کار پر کئے جائیں ان کا تشفی بخش جواب نہ دے سے اس کو دوسرا ٹھیکہ نہ دیا جائے گا۔

ان سب امور کا نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم کو مجبوراً اپنے وقت کی مناسب تقسیم کرنی پڑتی ہے اور ایسی صورت میں ابتداءً کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہونی ضروری ہے۔ زید سنسکرت تاریخ اور ریاضیات میں خوب تیز ہے لیکن انگریزی میں کمزور ہے۔ وہ اپنا وقت بطیب خاطر پہلے تین مضامین کے لئے وقف کرتا ہے اور زبان انگریزی کو آخر ماہ تک ٹالتا رہتا ہے فرض کیجئے ختم ماہ کو ایک ہفتہ باقی ہے اور اسے صرف انگریزی پر محنت کرنی ہے وقت بہت کافی ہے لیکن روزانہ ایک گھنٹہ سے زیادہ اس کا دل انگریزی پر نہیں لگتا سنسکرت یا تاریخ کے مطالعہ سے اس کو اتنی جلدی تکان نہیں ہوتی تھی جتنی جلدی انگریزی کے پڑھنے سے ہو جاتی ہے۔ سخت محنت کے باوجود اس کا معاہدہ پورا نہیں ہوتا لیکن اس سے ایک قیمتی سبق مل گیا۔ دوسرے مہینے میں وہ اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ روزانہ تھوڑی بہت انگریزی ضرور پڑھ لیتا ہے۔

جواب تبصرہ

المعلم کی ماہ خورداد ۱۳۰۵ ف کی اشاعت میں مولوی ملک سردار علی صاحب نے قائدالقواعد پر تفصیلی تبصرہ فرمایا تھا مؤلف صاحب قائدالقواعد نے اسکا جواب تحریر فرمایا ہے اس جواب کا لب لہجہ سنجیدہ ہے اور تحریر میں نفس بحث سے ہی سروکار رکھا گیا ہے۔ ہم ذیل میں اس جواب کو درج کرتے ہیں۔ المعلم کا منشا یہ ہے کہ قواعد کے اہم مسئلہ پر جہانتک ممکن ہو روشنی پڑے اگر اس قسم کی بحثوں میں سنجیدگی رہنما ہے اور اصل مقصود تحقیق اور صداقت ہو تو ظاہر ہے کہ ان بحثوں سے انمول فائدہ ہوگا۔

شریک مدیر

پہلی بحث یہ ہے کہ قائدالقواعد میں طریقہ ہجا سے کام نہیں لیا گیا جو عین فطرت کے مطابق ہے۔ یہاں تک کہ طالب علم کو بغیر اس کے چارہ ہی نہیں ہے۔ اگر ہجوں سے تجزی مُراد ہے تو قائدالقواعد حصہ اول کی تعلیم میں بھی بواسطۂ اصوات عمل تجزیہ سے کام لے سکتے ہیں اور در اصل یہی تجزیہ عین فطرت کے مطابق ہے۔ قائدالقواعد میں پہلے خالص آوازیں سکھائی گئی ہیں جو اجزائے الفاظ کا حکم رکھتی ہیں۔ اور مشق کے لئے ایسے الفاظ و فقرات استعمال کئے گئے ہیں جو ان اجزا سے مرکب ہیں۔ قائدالقواعد کی تعلیم پانیوالا بچہ ہر سبق کی بسیط آوازوں پر حاوی ہونے کے بعد جب الفاظ اور فقرے پڑھنا چاہیگا تو عمل تجزیہ میں اُسے کچھ بھی اُلجھن نہ ہوگی۔ متحرک حروف کی آوازیں ادا کرکے وہ بے تکلف پورے لفظ کا تلفظ ادا کر سکتا ہے۔ مثلاً بچہ بتاسا پڑھنا چاہتا ہے اور اسے حروف بَ۔تَ۔سَا کی شناخت ہو چکی ہے جو اس لفظ کے اجزا ہیں۔ تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اصوات کے واسطے سے ہجے کرنے میں اُسے کیا دشواری ہوگی؟ بَ۔ تَ۔ سَا = بتاسا۔

قائدالقواعد میں حروف کے ناموں سے نابلد رکھ کر طالب کو ان کی آوازیں سکھائی جاتی ہیں۔ چنانچہ گھو کو قائدالقواعد میں ایک مستقل حرف کی حیثیت حاصل ہے۔ طالب گَ گا۔ گھ۔ گھا کی طرح اپنے موقع پہ گھو کا تلفظ اور املا بھی آسانی سے سیکھ سکتا ہے۔ اور اسے فطرۃً ان کی تجزی کا خیال ہی نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے۔ لطیف ہجوں کا جو نیا طریقہ مثالاً پیش کیا گیا ہے! وہ بھی قدیم طریقہ سے کچھ کم تکلیف دہ اور

مفر نہیں ہے۔ کسی انپڑھ بچے یا بوڑھے سے پوچھئے کہ گھو (اور ڑا کو ملانے سے کیا (لفظ) بنتا ہے تو وہ بے ساختہ جواب دیگا "گھوڑا" لیکن گھ و (او) ڑا" کہکر پوچھے تو آپ کو صحیح جواب ملنے کی بہت کم توقع ہوسکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہجوں کا اور حروف و حرکات کے ناموں کا (خواہ وہ کچھ بھی ہوں) تعلق رہیگا۔ تعلیم میں کسی سہولت یا معقولیت کا پیدا ہونا محال ہے۔ البتہ اس مشکل کا فطری حل اصواتی تجزیہ ہی ہوسکتا ہے جو قائدالقواعد میں اختیار کیا گیا ہے۔ جہاں یہ بچوں کو رسم خط کی الجھنوں سے بچاتا ہے وہاں ان سے صحیح تلفظ ادا کرانیکا بھی ضامن ہے۔

ہجوں کی بحث کے بعد قائدالقواعد کے اس زرین اصول کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے کہ جملہ حروف کو ان کی آوازوں ہی سے موسوم کیا جائے یہ خیال ظاہر فرمایا گیا ہے کہ "جملہ حروف کو متحرک قرار دینا .... بیحد مشکل ہوگی۔

اوپر اشارہ کیا گیا ہے کہ حروف کے مجوزہ نام کا کی کے کُو کو کَو جیسے علتی حروف کے سکھانے میں کھنڈت پیدا کرنے کے علاوہ ساکن حروف کے سکھانے میں بھی مشکلات کا موجب ہونگے۔ ان ناموں کے ذریعہ تجزی کرنیکا فطری نتیجہ یہ ہوگا کہ خاصکر وہ طلبا جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔ آم کو آمہ اور مُوم کو مُومہ اور دَور کو دوَرہ کہنے کی طرف مائل ہونگے۔ قائدالقواعد کے ابتدائی سبقوں میں مفتوحہ حروف سکھانے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کا نام اَ بَت ا پَ ہے بلکہ یہ متحرک حروف ان سچ مچ کی آوازوں کے علامات ہیں جو آدا۔ بَنا۔ پتا وغیرہ الفاظ کے اجزا ہیں۔ میرے نزدیک حروف کو قدیم ناموں میں کسی تصرف کی ضرورت نہیں، یہ اور بات ہے کہ قائدالقواعد میں ان سے کام نہیں لیا گیا۔

تاہم اگر مدرس چاہے تو پہلے کل حروف تہجی اور حرکات سہ گانہ کے حروف نام سکھا کرانکے بعد قائدالقواعد کے بموجب بغیر ہجوں کے اصوات کی تعلیم دے سکتا ہے۔

آگے چل کر حروف کی مختصر ترکیبی صورتوں پر اعتراض وارد ہوا ہے کہ ایک ہی

حرف کی مختلف صورتیں وقت واحد میں طالب علم کو سکھانا مضر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان اشکال کو مختلف کہنا ہی ناجائز ہے جبکہ یہ آپس میں بھی اور اپنے اصلی حرف سے بھی نقطوں کی بدولت ایسی کافی مشابہت رکھتے ہیں کہ طالب ہرگز ان پر مختلف حروف کا دھوکا نہیں کھا سکتا۔ بچوں کو شروع میں اتنا اشارہ کافی ہوگا کہ یہ سب ایک ہی حرف کی شکلیں ہیں ایک پوری ہے تو باقی مختصر اور ان کی پہچان یہ ہے۔ باوجود اس نفسیاتی تائید اور عملی کامیابی کے میں نے خود ہی دوسرے اڈیشن میں تعداد اشکال کے اس عیب کو بہت کچھ دور کر دیا ہے کہ حسب ضرورت تین چار جوڑ کے بجائے اکثر حروف کے حرف ایک اور کہیں کہیں دو جوڑ دئے ہیں۔

قائد القواعد میں اصول تقابل کا لحاظ اس واسطے نہیں رکھا گیا کہ تمام حروف ایک ہی جگہ اور ایک ساتھ نہیں سکھائے گئے بلکہ فی سبق دو تین یا چار حروف کی تعلیم دی گئی ہے۔ لڑکا ایک سبق کے حروف پر حاوی ہونے کے بعد دوسرے سبق کے حرف سیکھتا ہے اور جب پچھلے حرف اگلے سبق کے الفاظ میں آتے ہیں تو ان کو ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے کا موقع بھی اس کو نامعلوم طور پر مل جاتا ہے۔ تقابل سے حروف کی باہمی مشابہت یا اختلاف تو ضرور واضح کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کیا اس سے یہ بہت بڑا نقصان لازم نہیں آتا کہ بچوں پر بہت سے متشابہ مگر مختلف حروف سامنے آنے سے ان کے نام اور آوازیں مشتبہ ہو جاتی ہیں۔

"سبق ۱ میں الف سے ب کو کوئی ربط یا تعلق نہیں دلایا" سبق ۲ میں پ یا ج جا کو آپسمیں کسی قسم کا تعلق نہیں"۔ تمام حروف کو آپسمیں اسی وقت ربط دیا جا سکتا ہے جبکہ نتیجہ کے مہمل ہونے کی پروا نہ کیجائے۔ مگر قائد القواعد کو شروع سے آخر تک مہمل ترکیبوں سے پاک رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ چھ حرف آپسمیں ربط نہیں دے جا سکتے تو فراموش بھی نہیں کئے گئے بلکہ حروف شناسی کے لئے جو مشق دی گئی ہے اس میں بھی

موجود ہیں اور دوسرے تیسرے سبق کے الفاظ اور جملوں میں بھی۔ آنجا۔ بجا۔ بتا۔ بجاتا۔ پتا۔ آپا۔ پاپا۔ پاتا۔ جپا۔ جتھا۔ آجا۔ باجا۔ جاتا۔ جملوں کی مثالیں اس کے علاوہ ہیں۔ شمار کیا جائے تو سنتہ ہی سبقوں میں کسی نہ کسی طرح ا ۲۶ بار اور ب ۶۴ بار استعمال ہوا ہے۔ دوسرے بہت سے حروف اور ان کی مختلف آوازوں کی مثالیں بھی اسی کثرت سے مل سکتی ہیں۔ خاصکر دوسرے اڈیشن میں قائدالقواعد اس خصوصیت میں منفرد ہے۔

مؤلف قائدالقواعد بزعم خود یہ سمجھے ہوئے تھا کہ اُس نے اپنے قاعدہ میں چن چن کر ایسے الفاظ لکھے ہیں جو بچوں کے لئے آسان بھی ہوں اور جاذب توجہ بھی۔ مگر زیر نظر تبصرہ کو دیکھکر اس کی آنکھیں کھل گئیں اور اُسے معلوم ہو گیا کہ آٹا لا۔ پاپا چلا۔ چاچبا۔ تانا تنا۔ آپا آنا بجا ثقیل جملے ہیں۔ یہ جملے اور نیز گھڑا بھرا۔ پاپا لڑا۔ بڑا کھایا۔ جالا جھاڑا۔ ایک شاعر کی نظر میں ثقیل اور غیر مانوس ہوں تو ہوں، لیکن ان میں ایک بھی لفظ ایسا نہیں ہے جو چھ سات برس کے طالب علم کی روزمرہ بول چال میں داخل نہ ہو۔

صرف ۱۲ ابتدائی سبقوں ہی میں کوئی پونے دوسو الفاظ اور اتنے ہی جملے درج ہیں اگر طول کا خوف نہ ہوتا تو ان سب کو یہاں نقل کرکے ناظرین سے انصاف طلب ہوتا کہ اس اعتراض کا قائدالقواعد کہاں تک متحمل ہو سکتا ہے۔ ہاں ٹھیٹھ عربی فارسی حروف کے تحت ان زبانوں کے الفاظ کا آنا بھی ناگزیر تھا۔ مانا کہ یہ لفظ ادق اور ثقیل ہیں لیکن بچوں کو ایسے الفاظ کا پڑھانا بھی تو ضروری ہے جو اُن کے لئے نئے ہوں۔

یہ اعتراض کہ مشقوں میں جو جملے درج ہیں وہ بہت کم اور ناکافی ہیں، پہلے اڈیشن کے بعض سبقوں کی حد تک قابل تسلیم ہے۔ دوسرا اڈیشن ملاحظہ فرمایا جائے تو جملوں کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ نظر آئیگا۔

گرد و پیش کی اشیاء اور گرد و پیش کی چیزوں، قدرتی نظاروں اور اعضائے جسمانی کے ناموں کو جس کثیر التعداد میں قائدالقواعد پیش کرتا ہے اُس کی نظیر اور کسی قاعدہ میں

نے گی۔ مگر ظاہر ہے کہ ان کی کھپت بتدریج ہو سکتی تھی۔ شروع کے سبقوں میں ہی ایسے تمام الفاظ کو ٹھونس دینا کسی اصول سے روا نہ تھا۔ اس کے علاوہ دلچسپی اور روزمرہ کی بنا، پر الفاظ کے مدارج قایم کرنا نفسیاتی اصول سے بھی بہت دشوار گزار مرحلہ ہے۔

آسان و مشکل حروف ابجد کی جو تقسیم کی گئی ہے اس کو تو مفید اور قابل قدر جدت تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن ترتیب اس عذر کے ساتھ غیر مفید بتائی جاتی ہے کہ اسمیں منطقی اصول سے کام لیا گیا ہے۔ مگر ترتیب منطقی ہے بھی تو تقسیم حروف کی طرح اسکو بھی مفید ہونا چاہیے کیونکہ ترتیب تقسیم کے تابع ہے اور عقلاً بھی منطقی ترتیب کا سب سے بہتر ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ وہ جچی تلی اور باقاعدہ ہوتی ہے۔ تبصرہ میں جو ترتیب تجویز فرمائی گئی ہے کہ حرف مختلف حروف کی آسان طرز کی آوازوں کو لے کر ان کے مطابق حروف و الفاظ و جملے سکھائے جاتے اور منطقی اصول کو نظر انداز کر کے اس کی چنداں پروا نہ کیجاتی کہ ہر ایک حرف کی مختلف آوازیں اور بندشیں وغیرہ تمام کی جائیں، وہ سر اسر قاعدہ القواعد ہی کی ترتیب کا چربہ ہے۔

اکتالیسویں سبق میں حروف ساکت کی مثالیں درج ہیں۔ املا کی پیچیدگی کے علاوہ اکثر الفاظ معناً بھی ایسے ہیں کہ ان کو آخری مشقوں ہی میں جگہ ملنی چاہیئے تھی۔ خود اور خوش وغیرہ نہ صرف املا بلکہ تلفظ اور استعمال کے لحاظ سے بھی ایسے معمولی نہیں ہیں کہ بچوں کو مدرسہ میں داخل ہونے ہی اُن کے لکھنے پڑھنے کی ضرورت محسوس ہو۔

حروف ساکت کی لکیر نون غنہ کا حلقہ واؤ علت اور صحیح کا فرق اور یا کے جوڑ کے نیچے چھوٹی علامتوں کا استعمال محض اشارہ کے لئے کیا گیا ہے۔ املا اور خطاطی میں ان کے التزام کی ضرورت نہیں ہے۔ جن بچوں کی مادری زبان اُردو نہیں ہے انھیں ان علامتوں سے صحیح تلفظ ادا کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے یہ علامتیں بار تو اس وقت ہوتیں جبکہ ان کی شکل اصل سے جداگانہ ہوتی۔ پھر ان کی ضرورت کو تسلیم نہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہماری زبان کا

رسم خط ایسا سلجھا سلجھایا ہے کہ مبتدی اس پر آنکھ بند کرکے عمل کرسکتا ہے -

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو قائدالقواعد کے بنیادی اصولوں سے عموماً اور انکے علامتوں سے خصوصاً اردو رسم خط کی بہت سی مشکلیں نامعلوم طور پر حل ہوگئی ہیں - بلکہ اگر میں یہ کہوں تو بیجا نہ ہوگا کہ دشمن اور نادان دوست یک زباں ہوکر جن عیوب کو اردو رسم خط سے منسوب کرکے اصلاح کی صدائیں بلند کرتے رہتے ہیں وہی عیب قائدالقواعد میں ہنر معلوم ہوتے ہیں - بشرطیکہ اہل بصیرت نظر امعان سے اسکو دیکھیں اور پرانا غیر فطری طریقہ چھوڑکر اس کے اصول کو ابتدائی تعلیم میں جگہ دیں جو بالکل قدرتی ہے -

شذرات

صدر مہتمم تعلیمات صوبۂ گلبرگہ کی تحریک پر محکمۂ سرکار نے بمقام بیدر مدرسہ تحتانیہ اور مدرسہ صنعت و حرفت کو ضم کرکے ادبی تعلیم کے ساتھ صنعتی تعلیم دینے کی منظوری دی ہے -

---

جاپان کے محکمۂ تعلیمات نے سولہ برس سے بیس برس کی عمر تک سب مردوں پر فوجی تعلیم لازم کردی ہے اور حکم دیا ہے کہ اس چار سالہ مدت میں کم سے کم آٹھ سو گھنٹے تعلیم دی جائے جس میں سے چار سو گھنٹے فوجی تربیت پر صرف ہوں - دو سو ادبی تعلیم پر اور سو سو مذہبی اور صنعتی تعلیم پر -

---

ہندوستان میں مطابع کی کل تعداد ۴۹۰۹ ہے جس میں سے مدراس میں ۱۲۱۳ بمبئی میں ۵۷۷، بنگال میں ۹۹۶ - اور پنجاب ۴۳۳ مطابع قایم ہیں - اردو مطابع کیلیے

بجواب ایسا ہی مشہور ہے جیسے - انگریزی کے لئے مدراس ہے -

ہندوستان کے ہائی کمشنر مقیم لندن نے اعلان کیا ہے کہ ان ہندوستانی طلبہ کو انگلستان آنے سے قبل ایک نہ ایک یورپ کی جدید زبان فرانسیسی یا جرمنی ضرور سیکھ لینا چاہیے جو کسی یونیورسٹی میں شریک ہونا چاہتے ہیں - ورنہ داخلہ میں مشکل ہوگی اور وقت اور روپیہ ضایع ہوگا -

---

محمد یونس صاحب بیرسٹر پٹنہ نے تعلیم و تربیت پر صرف کرنے کے لئے بارہ لاکھ گرانقدر عطیہ دیا ہے -

---

جامعۂ عثمانیہ کے قیام سے جب یہ ثابت ہوگیا کہ مادری زبان میں بھی یورپ کے اعلیٰ علوم پڑھائے جا سکتے ہیں تو ہندوستان کے مختلف حصوں میں اسی کے اصول کے مطابق یونیورسٹیاں قایم ہونے کی تحریک شروع ہوگئی - چنانچہ احاطۂ مدراس میں آندھرا یونیورسٹی وجود میں آئی اور اب کوشش یہ ہے کہ ایک تامل یونیورسٹی قایم کی جائے گورنمنٹ نے اس تحریک کو بہ نظر پسندیدگی دیکھکر ایک کمیشن بصدارت راجہ راماناد مقرر کیا ہے تاکہ مکمل اسکیم تیار اور پیش ہو -

---

عالیجناب نواب مسعود جنگ بہادر کے سفر جاپان - انکی معرکہ کی کتاب "جاپان کا تعلیمی نظم و نسق" اور حال ہی میں اُن کے دلکش لکچر نے حیدرآبادیوں کے دل میں جاپان کی ایسی وقعت پیدا کر دی ہے کہ بعض جاپان جاکر تعلیم حاصل کرنا چاہتے اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آیا ہماری سرکار سے جاپان جانے لئے وظیفہ مل سکتا ہے - چونکہ جاپان خوش قسمتی سے

بر اعظم ایشیا میں ہے۔ اس لئے ہمارے خیال میں ایشیاٹک اسکالر شپ جاپان کے لئے بھی مل سکتا ہے۔

۱۹۲۱ء کے اعداد و شمار کی رپورٹ کے بموجب ہندو بیوہ عورتوں کی تعداد بلحاظ عمر حسب ذیل تھی:-

پانچ برس کی عمر تک	۱۱,۸۹۲
از پانچ تا دس	۸۵,۰۳۷
از دس تا پندرہ	۲۳۲,۱۴۷
جملہ	۳۲۹۰۷۶

یہ کم عمری کی شادی کا تکلیف دہ اور حسرتناک نتیجہ ہے کہ عین شادی کی عمر کے وقت اتنی کثیر تعداد ہمیشہ کے لئے شادی سے محروم ہو جاتی ہے۔

اس سال جرمن میں بمقام ڈوسلڈارف "حفظان صحت" کے متعلق نہایت اعلیٰ پیمانہ پر نمائش ہوگی اور انسان کی بود و باش کے ہر پہلو پر نہایت وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی جائیگی۔ گھر۔ غذا۔ کپڑا۔ آب و ہوا۔ بیماریاں۔ عادات و رسومات وغیرہ کے بابت ہر قسم کے معلومات پیش کئے جائینگے تاکہ انسان اپنی روزمرہ کی ضروریات اور ان کی حقیقت اور ماہیت سے کماحقہ واقف ہو سکے۔

بمبئی کی مشہور و معروف مسلمان خاتون عطیہ بیگم صاحبہ نے تجویز کی ہے کہ مسلمان لڑکیوں کے لئے تین قسم کے مدارس ہونے چاہئیں۔ جن میں ادنیٰ۔ متوسط اور اعلےٰ طبقے کی لڑکیوں کی ضروریات کے لحاظ سے نصاب تعلیم مقرر ہو۔ ادنیٰ درجہ کی لڑکیوں کو

ایک پنے مضمون میں خاص طور پر تعلیم دینی چاہیئے کہ وہ آئندہ زندگی میں ذریعہ معاش ہو سکے دوسرے طبقہ کی لڑکیوں کو ایسے مضامین میں ماہر بنایا جائے کہ وہ شائستہ زندگی بسر کرنیکے قابل نہیں۔ ہر مدرسہ نسوان میں حفظان صحت کی تعلیم کا بطور خاص انتظام ہونا نہایت ضروری ہے۔

اس سال بمبئی کے سابق وزیر تعلیمات ڈاکٹر پرانج پے کی لڑکی نے بمبئی یونیورسٹی سے درجہ اول میں بی۔ایس سی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ موصوفہ کا ارادہ ہے کہ کیمبرج سے ریاضی میں اعلیٰ ڈگری حاصل کریں۔

آج کل ہندوستان میں زکیہ خانم بنت عبدالحمید سلیمان بے تشریف لائی ہوئی ہیں۔ مناً موصوفہ مصر کے نظام کنڈر گارٹن کی ناظمہ ہیں اور روضۃ الاطفال قصر الدربار راست ان ہی کے تحت ہے۔ زکیہ خانم صاحبہ مصر میں تعلیم نسوان کی بڑی زبردست حامی ہیں قاہرہ میں تعلیم پاکر انگلستان گئیں اور چار سال سنہ ۱۹۱۶ء سے سنہ ۱۹۲۰ء تک شلٹن ہیم کے خواتین کے کالج میں تعلیم پاتی رہیں اسکے بعد انہوں نے یورپ کا دورہ کیا اور فرانس میں مدارس اطفال اور روم میں مانٹسوری کے طریقہ کا مطالعہ کیا۔

وہ ہندوستان کا دورہ اس غرض سے کر رہی ہیں کہ یہاں کے سماجی اور تعلیمی حالت کا مطالعہ کریں اور جہاں کہیں ممکن ہو کنڈر گارٹن کا شوق پھیلائیں۔ زکیہ خانم صاحبہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کرینگی۔ اگست کے پہلے ہفتہ میں الہ آباد میں ٹھیرینگی اور پھر وہاں سے کلکتہ بنارس لکھنؤ آگرہ دہلی لاہور اور بعض مقامات کو جائینگی۔ مصر کی تعلیم کے متعلق جب ان سے سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہمیں فخر ہے کہ مصر میں تعلیم حکومت کی جانب سے دیجاتی ہے۔ کل مصر میں مردوں اور عورتوں کی ابتدائی تعلیم کا انتظام حکومت نے کیا ہے اور تعلیم بالکل مفت ہے حکومت تعلیم کی خاطر ممالک غیر جانیکی ترغیب لڑکے اور لڑکیوں کو دلاتی ہے اور ہر سال لڑکیاں اور لڑکے یورپ اور امریکہ اس غرض سے بھیجے جاتے ہیں حکومت کی دلچسپی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مصری حکومت نے صرف طلبہ اور طالبات پر ۱۵ ہزار پونڈ صرف اس غرض سے خرچ کئے کہ لڑکے اور لڑکیاں اپنے وطن کی سیر و سیاحت کر سکیں۔

بچوں کا قاعدہ

مرتبہ

محمد سجاد مرزا ایم اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ

اقتباس از چند آرا

نواب سر امین جنگ بہادر صدر المہام پیشی ۔ چھوٹے بچوں کی تعلیم کے واسطے کوئی مفید کتاب کی تالیف یا تصنیف سہل امر نہیں ہے۔ انگلستان میں سر برآوردہ اساتذہ و مشہور اشخاص ہی اس کام کا بیڑا اٹھاتے ہیں دوسروں کی مجال نہیں ۔ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے ہمارے بچوں کے واسطے وہی کام کیا جو آپ کے عہدہ کے شایاں ہے ۔ کتاب کا پیرایہ بہت دلپذیر ہے ۔ جیسا کہ بچوں کی توجہ اس پر مائل کرانے کے لئے لازم ہے ۔

مسٹر رام راؤ بی اے علیگ ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول گونڈہ ۔ بچوں کا قاعدہ میں نے بغور دیکھا اور حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان میں اس سے زیادہ خوبصورت کتاب میری نظر سے نہیں گزری مفردات کی تعلیم بہت دلچسپ مفید ہے مرکبات کی تعلیم کا طریقہ بھی بہت دلچسپ ہے ۔

اودھ اخبار لکھنو ۔ نہایت لطیف اور خوبصورت کتاب مرتب کی ہے جس کی لوح پر ہندو مسلمان لڑکے لڑکیوں کی تصویریں بنائی گئی ہیں کتاب ہذا میں بچوں کی دلچسپی کا پورا سامان مہیا کیا گیا ہے اور معلم اور طالب علم دونوں کی سہولت مد نظر رکھی گئی ہے یہ ہمارے صوبہ کی ٹکسٹ بک کمیٹی کے غور کی تحت ہے جسے منظور کرنے کے بعد وہ ابتدائی تعلیم کے دیہی و شہری مدارس میں دیگر پرائمروں کے ساتھ ساتھ پڑھا جانیکی سفارش کرے

یہ طرز جدید کا پہلا قاعدہ جس میں ریاست حیدرآباد دکن کے لئے اعلیحضرت بندگانعالی اور علاقہ انگریزی کیلئے ملک معظم جارج پنجم کی نہایت عمدہ تصویر درج ہے ہمارے بک ڈپو سے بحساب فی جلد ۴ر ملسکتا ہے ۔ مدارس و تاجروں کو کمیشن دیا جاتا ہے ۔

حیدرآباد بک ڈپو۔ توپ کا سانچہ حیدرآباد دکن

اعلیحضرت قدر قدرت حضور پرنور بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

میری فوانی شین پریس کو بنگاہ حکیم ابیات سے بذریعہ فرمان مبارک

نواب اعظم جاہ بہادر ادام اللہ اقبالہ و اجلالہ

۵ ربیع الاول ۱۳۴۱ سنہ شاہزادہ عزیز ولی عہد کے مبارک

اعظم اسٹیم پریس سے موسوم کرنے کی اجازت عطا فرمائی گئی ملک کی قدردانی اور کاروبار کی ترقی کے لحاظ سے ہر قسم
انگلش عالی اور مصنفین کی سہولت دفاتر سرکار کی موقتی اور اہم کاروں طباعت کے عمدہ اور فوری انجام پانے
سررشتہ تعلیمات کی ہر جماعت کے متعلقہ جملہ اصلی کتب نقشہ جات خلاصہ جات کتب امتحانی اردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی۔ منطقی۔ مذہبی
ڈرائنگ و تصاویر جو بچوں کی ابتدائی تعلیم اور ڈرائنگ کے عملیات کیلئے مفید کارآمد ہیں کتب ڈرائنگ وکا بیان کیا اس و تصاویر جانور رنگ وغیرہ
نقشہ جات ہندوستان ایشیا یورپ افریقہ امریکہ بھی موجود ہیں واجبی قیمت ہر تفصیلی فہرست کتب خانہ ہذا کی مفت طلب فرما کر ملاحظہ فرمائے

المشتہر

سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر و مالک اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن

اخبار تعلیم لاہور | ہر قسم کے تعلیمی معاملات پر آزادانہ بحث کرنے والا مدرسین کا وکیل اور ترجمان
طلبا کا معاون و مددگار افسران محکمہ تعلیم کا خیر خواہ سررشتہ تعلیم کا مشیر ہر قسم کے علمی اخلاقی
طبی وغیرہ مضامین کا مخزن ہفتہ وار اخبار تعلیم لاہور سے شائع ہوتا ہے قیمت سالانہ چھ روپیہ
سہ ماہی چار روپیہ **منشی طالب علی صاحب بند قریشی ایڈیٹر اخبار تعلیم لاہور سے طلب کیجئے**

رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور | شمالی ہند کا نامی گرامی تعلیمی رسالہ بیس سال سے
پوری شان و شوکت کے ساتھ شہر لاہور سے شائع ہو رہا ہے۔ اس کی خوبیاں اس کے
مطالعہ سے ظاہر ہو سکتی ہیں۔ قیمت سالانہ تین روپیہ سکہ کلدار حجم ماہانہ (۲۰) صفحہ

ملنے کا پتہ

ماسٹر جگت سنگھ پروپرائٹر رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور

المعلم جلد ۳ سنہ ۵

۳۷۰۲۵

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

کتب خانہ

جامعہ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس [illegible] ایک وقت میں [illegible] کتابیں لے سکیں گے [illegible]

جماعتِ نصاب [illegible] پانچ کتابیں ایک [illegible] لے سکیں گے [illegible]

۲۔ اساتذہ [illegible] جامعہ عثمانیہ [illegible] کتابیں ایک [illegible] لے سکیں گے [illegible]

اراکین دارالترجمہ [illegible] دس کتابیں [illegible]

۳۔ طلبائے [illegible] ایم اے و ایل ایل بی [illegible] کتابیں لے سکیں گے [illegible]

طلبائے [illegible] کتابیں [illegible]

۴۔ [illegible] کتابیں [illegible]

۵۔ [illegible] کتابیں [illegible] کے لئے [illegible]

[illegible] کتابیں [illegible]

۶۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان بنانا [illegible] منع ہے۔

۷۔ [illegible]

۸۔ قلمی نسخے [illegible] کی کتابیں [illegible] جاری نہ کی جا سکیں گی۔ فقط